

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الزَّاهِدِينَ الْمُهْتَدِينَ

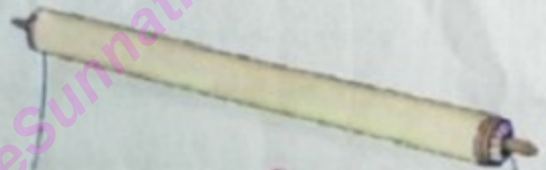
چتر گرام
چتر گرام

شماره
15

محرم ۱۴۳۱ھ، جنوری ۲۰۱۰ء



علامہ مصطفیٰ ظہیر امن پوری



اللہ کہاں ہے؟

خالیہ بلا فصل کون؟

بلوغت کی نشانی کیا ہے؟

روح کی واپسی اور مسئلہ حیات النبی ﷺ

نغم حسین رحمۃ اللہ علیہ

زائر انتہی و تحقیق، جہلم، پاکستان

www.AhleSunnatPk.com





اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے، مخلوق سے جدا ہے، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۸۷ھ) لکھتے ہیں:

هذه الصفات من الاستواء والاتبان والنزول قد صحت بها النصوص ، ونقلها الخلف عن السلف ، ولم يتعوضوا لها برد ولا تأويل ، بل أنكروا على من تأولها مع اصفاقهم بأنها لا تشبه نعوت المخلوقين ، وأن الله ليس كمثله شيء ، ولا تنبغي المناظرة ، ولا التنازع فيها ، فإن في ذلك محاولة للردّ على الله ورسوله أو حوما على التكيف أو التعطيل ...

”یہ صفات الہی، یعنی استواء (اللہ تعالیٰ کا عرش پر بلند ہونا)، اتیان (قیامت کے دن بندوں کے فیصلے کے لیے آنا) اور نزول (ہر رات آسمان دنیا پر اترنا)، ان کے بارے میں نصوص صحیحہ وارد ہو چکی ہیں اور بعد والوں نے ان کو پہلوں سے نقل کیا ہے، وہ ان کے رد یا ان میں کرنے میں مصروف نہیں ہوئے، بلکہ انہوں نے ان صفات میں تاویل کرنے والوں پر تکبر کی ہے، نیز ان کا اتفاق ہے کہ صفات الہی مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں، اس بارے میں مناظرہ و تنازع جائز نہیں، کیونکہ ایسا کرنا اللہ و رسول کی مخالفت کی کوشش ہے یا صفات الہی میں تکلیف و تعطیل کی سازش ہے۔“ (سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۱/۳۷۶)

دلیل نمبر ⑪ : عن أبي هريرة ، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :

((ينزل ربنا تبارك وتعالى في كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر ، فيقول : من يدعوني ، فأستجيب له ؟ من يسألني ، فأعطيه ؟ من يستغفرني ، فأغفر له ؟))

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات کو، جب آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، پھر فرماتا ہے، کون ہے جو مجھے بلائے اور میں اس کی پکار کو قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو

مجھ سے معافی مانگے اور میں اسے معاف کروں؟“ (صحیح بخاری: ۱۱۴۵، صحیح مسلم: ۷۵۸)

حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۲۳ھ) فرماتے ہیں:

هذا الحديث لم يختلف أهل الحديث في صحته ، وفيه دليل على أن الله تعالى في السماء على العرش من فوق سبع سموات ، كما قالت الجماعة ، وهو من حججهم على المعتزلة ...

”محدثین کا اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت نے کہا ہے، یہ حدیث معتزلہ کے خلاف اہل سنت والجماعت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔“ (التمہید لابن عبد البر : ۱۲۹/۷)

نیز لکھتے ہیں: وهذا أشهر وأعرف عند الخاصة والعامة وأعرف من أن يحتاج فيه الى أكثر من حكايته ، لأنه اضطرار ، لم يؤنبهم عليه أحد ، ولا أنكره عليهم مسلم ...

”یہ (دعا کے وقت آسمان کے طرف ہاتھ اٹھانا) خواص و عوام کے ہاں مشہور معروف ہے، اس کی شہرت و معرفت اس بات کی محتاج نہیں کہ اسے بیان کیا جائے، کیونکہ اسے ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، کسی نے بھی مسلمانوں پر اس بات کا اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی کسی مسلمان نے ان پر اس بات کی نکیر کی ہے۔“

(التمہید لابن عبد البر : ۱۳۴/۴)

دلیل نمبر ۱۲ : عن أنس بن مالك رضى الله عنه (في حديث الاسراء) :

فالتفت النبي صلى الله عليه وسلم الى جبريل ، كأنه يستشير في ذلك ، فأشار اليه جبريل أن نعم ان شئت ، فعلا به الى الجبار ، فقال ، وهو مكانه : ((يا رب ! خفف عنا ، فان أمتي لا تستطيع هذا)) ...

”سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے (معراج کی حدیث میں) روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کی طرف مشورہ طلب نگاہوں سے دیکھا تو جبریل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے، پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھے، آپ ﷺ نے عرض کی، اس حال میں اللہ تعالیٰ اپنی جگہ پر تھا، اے میرے رب! ہم پر تخفیف فرما، میری امت اس (پچاس نمازوں کے حکم کو بجالانے کی) طاقت نہیں رکھے گی۔“ (صحیح بخاری : ۷۵۱۷)

دلیل نمبر ۱۳ : عن ابن عباس ، قال : بلغ أبا ذرٍّ مبعث النبي صلى الله عليه وسلم ، فقال لأخيه : اعلم لي علم هذا الرجل الذي يزعم أنه يأتيه الخبر من السماء ...

”سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا، تم میرے لیے اس آدمی کی خبر معلوم کرو، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس

آسمان سے خبر (وجی) آتی ہے۔“ (صحیح بخاری: ۳۵۲۲، صحیح مسلم: ۲۴۷۴)

دلیل نمبر ۱۴): عن أبي هريرة عن النبي صَلَّى الله عليه وسلم، قال: ((اِنَّ

لله تبارك وتعالى وملائكة سيّارة فضلا يبتغون مجالس الذّكر ، فاذا وجدوا مجلسا فيه ذكر قعدوا معهم ، وحفّ بعضهم بعضا بأجنتهم ، حتى يملؤوا ما بينهم وبين السّماء الدنيا ، فاذا تفرّقوا عرجوا وصعدوا الى السّماء ، قال : فيسألهم الله عزّ وجلّ ، وهو أعلم بهم : من أين جئتم؟)) الحديث

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے معزز فرشتے زمین میں چلتے پھرتے اور ذکر کی مجالس تلاش کرتے رہتے ہیں، جب وہ کوئی ایسی مجلس پا لیتے ہیں، جس میں اللہ کا ذکر ہو رہا ہوتا ہے تو ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں، (بھیڑ کی وجہ سے) وہ ایک دوسرے کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں، یہاں تک کہ ان سے لے کر آسمان دنیا تک تمام خلا بھر جاتا ہے، جب وہ منتشر ہوتے ہیں تو آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، اللہ عزوجل باوجود بہتر جاننے کے ان سے سوال کرتا ہے کہ تم کہاں سے آئے ہو؟“ (صحیح مسلم: ۲۶۸۹)

دلیل نمبر ۱۵): عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صَلَّى

الله عليه وسلم: ((اِنَّ الله اذا احبّ عبدا دعا جبريل ، فقال : اِنِّي احبّ فلانا فاحبه ، قال : فيحبه جبريل ، ثم ينادي في السماء ، فيقول : اِنَّ الله يحبّ فلانا فاحبوه ، فيحبه اهل السماء ، قال : ثم يوضع له القبول في الأرض ، واذا ابغض عبدا دعا جبريل ، فيقول : اِنِّي ابغض فلانا فابغضوه ، قال : فيبغضه جبريل ، ثم ينادي في اهل السماء : اِنَّ الله يبغض فلانا فابغضوه ، قال : فيبغضونه ، ثم توضع له البغضاء في الأرض))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں، میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو، جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتے ہیں، تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ سب آسمان والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں، پھر اس کے لیے زمین میں بھی محبت رکھ دی جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے نفرت کرتے ہیں تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں، میں فلاں آدمی سے نفرت کرتا ہوں، تم بھی اس سے نفرت کرو، جبریل علیہ السلام بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ آسمان والوں میں

یہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے نفرت کرتے ہیں، تم بھی اس سے نفرت کرو، چنانچہ وہ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، پھر اس کے لیے زمین میں بھی نفرت رکھ دی جاتی ہے۔“

(صحیح بخاری: ۳۲۰۹، صحیح مسلم: ۲۶۳۷، واللفظ لہ)

دلیل نمبر ۱۹ : سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، مجھے نبی اکرم ﷺ کے

ایک انصاری صحابی نے بتایا کہ وہ ایک رات رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، ایک ستارا (شہاب ثاقب) ٹوٹا اور روشن ہوا، رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا، تم جاہلیت میں اس طرح ستارے کے ٹوٹنے پر کیا کہتے تھے، انہوں نے عرض کی، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، ہم تو کہتے تھے، آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا یا فوت ہوا ہے، اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، یہ تارے کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے نہیں توڑے جاتے، بلکہ ہمارا رب تبارک و تعالیٰ جب کسی کا فیصلہ کرتا ہے تو عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، پھر ان کے پاس والے فرشتے تسبیح کرتے ہیں، یہاں تک کہ آسمان دنیا تک یہ تسبیح پہنچ جاتی ہے، پھر عرش کو اٹھانے والے فرشتوں سے آس پاس والے پوچھتے ہیں، تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ وہ انہیں فرمان الہی کی خبر دیتے ہیں، پھر دوسرے آسمانوں والے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، یہاں تک کہ یہ خبر آسمان دنیا تک پہنچ جاتی ہے، چنانچہ جن کوئی بات چرا کر اپنے دوستوں تک پہنچاتے ہیں، اس وجہ سے ان کو ستارے مارے جاتے ہیں، جو بات وہ بعینہ لے آئیں، وہ سچ ہوتی ہے، لیکن وہ اس میں ملاوٹ کرتے ہیں اور اپنی طرف سے باتیں اس میں داخل کر دیتے ہیں۔“ (صحیح مسلم: ۱۲۲۹)

حافظ بیہقی رحمہ اللہ (۳۸۴-۴۵۸ھ) لکھتے ہیں: والأخبار فی مثل هذا كثيرة، وفيما كتبنا من الآيات دلالة على ابطال قوم من زعم من الجهمية: أن الله سبحانه وتعالى بذاته في كل مكان... ”اس (اللہ تعالیٰ کے عرش پر بلند ہونے کے) بارے میں احادیث بہت سی ہیں، نیز جو آیات ہم نے لکھی ہیں، ان میں بھی ان جہمی لوگوں کا رد ہے، جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ میں ہے۔“ (الاعتقاد للبيهقي: ص ۱۱۸)

جاری ہے۔۔۔۔۔



خلیفہ بلا فصل کون؟

مسلمانوں کا یہ اتفاقی و اجماعی عقیدہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

انہم یؤمنون أنّ الخلیفۃ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أبو بکر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم علی، ومن طعن فی خلافة أحد من هؤلاء، فهو أضلّ من حمار أہله....
”یقیناً وہ (اہل سنت والجماعت) یہ ایمان رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ سیدنا ابوبکر ہیں، پھر سیدنا عمر، پھر سیدنا عثمان، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، جو شخص ان میں سے کسی ایک کی خلافت میں بھی طعن کرتا ہے، وہ گھریلو گدھے سے بھی زیادہ احمق ہے۔“ (العقیدۃ الواسطیۃ لابن تیمیہ: ۷۸۴)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ (۲۴۳ھ) فرماتے ہیں: خیر ہذہ الامۃ بعد نبیہا أبو بکر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم علی، هذا قولنا وهذا مذہبنا...
”اس امت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر شخص ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہ ہیں، ہمارا یہی قول اور ہمارا یہی مذہب ہے۔“

(تاریخ یحییٰ بن معین: ۱۶۲۰)

① سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أجمع أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستخلفوا أبا بکر رضی اللہ عنہ .
”اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجماع و اتفاق کیا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا لیا۔“ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۸۰/۳، وسندہ حسن)

② امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۰-۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: وما أجمع المسلمون علیہ من أن یكون الخلیفۃ واحدا، فاستخلفوا أبا بکر .
”مسلمانوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ خلیفہ ایک ہی ہونا چاہیے تو انہوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا لیا۔“ (الاعتقاد للبیہقی: ۵۲۲، وسندہ صحیح)

③ امام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (۳۲۴ھ) لکھتے ہیں: ومّا یدلّ علی امامۃ الصّدیق رضی اللہ عنہ أنّ المسلمین جمیعاً بايعوه وانقادوا لامامته...
”سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت (خلافت) کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ تمام مسلمانوں

نے آپ ﷺ کی بیعت کی اور آپ کی امامت کے لیے مطیع ہو گئے تھے۔“ (الابانة عن اصول الديانة : ۲۵۱)

نیز فرماتے ہیں: وقد أجمع هؤلاء الذين أنشئ عليهم ومدحهم على امامة أبي بكر الصديق رضي الله عنه وسموه خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم وبايعوه وانقادوا له وأقروا له بالفضل ... ”(بیعت رضوان والے صحابہ)، جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف و مدح کی ہے، یہ سب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت پر متفق ہو گئے تھے، ان سب نے آپ کا نام خلیفہ رسول اللہ رکھا تھا، آپ کی بیعت کی تھی اور آپ ﷺ کی اطاعت کی تھی۔“ (الابانة : ۲۵۰-۲۵۱)

④ الامام، الحافظ، الثقة، الرحال، ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن عثمان الواسطي ابن السقاء محدث واسط (۳۷۳ھ) کہتے ہیں: وأجمع المهاجرون والأنصار على خلافة أبي بكر . ”مہاجرین و انصار نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع و اتفاق کر لیا تھا۔“ (تاریخ بغداد : ۱۰/۱۳۲۰، ۱۳۲۱، وسندہ صحیح)

⑤ حافظ البوعيم الاصبهاني رحمه الله (۳۳۶-۴۳۰ھ) لکھتے ہیں:

فيقال للامامية الطاعنين على المهاجرين والأنصار اجتماعهم على مقدمة الصديق رضي الله عنه : أكان اجتماعهم عليه على اكراه منه لهم بالسيف ، أو تاليف منه لهم بمال ، أو غلبة بعشيرة ، فإن الاجتماع لا يخلو من هذه الوجوه ، وكل ذلك مستحيل منهم ، لأنهم المديحة والذين النصيحة ، ولو كان شيء من هذه الوجوه ، أو أريد واحد منهم على المبايعه كارها لكان ذلك منقولا عنهم ومنتشرا ، فأما اذا أجمعت الأمة على أن لا اكراه والغلبة والتأليف غير ممكن منهم وعليهم ، فقد ثبت أن اجتماعهم لما علموا الاستحقاق والتفضيل والسابقة ، وقدموه وبايعوه لما خصه الله تعالى به من المناقب والفضائل ...

”ان رافضیوں سے کہا جائے گا، جو مہاجرین و انصار کے سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہو جانے پر معترض ہیں کہ کیا ان صحابہ کا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جمع ہو جانا تلوار کے ساتھ ان کو مجبور کرنے کی وجہ سے تھا یا مال کے ساتھ ان کی تالیف قلبی کی وجہ سے تھا یا کنبہ قبیلہ کے ساتھ غلبہ حاصل کرنے کے ساتھ تھا؟ کیونکہ اجتماع ان وجہ سے خالی نہیں ہوتا، لیکن یہ سب چیزیں ان صحابہ سے محال ہیں، کیونکہ وہ قابل تعریف لوگ تھے اور دین خیر خواہی کا نام ہے، اگر ان وجہ میں سے کوئی بھی وجہ ہوتی یا ان صحابہ میں سے کسی ایک سے بھی مجبور کر کے بیعت لینے کا ارادہ کیا گیا ہوتا تو یہ بات منقول اور مشہور ہوتی، پس جب امت اس بات پر متفق

ہو گئی ہے کہ ان کی طرف سے یا ان پر کسی قسم کی کوئی مجبوری، کوئی زور اور کوئی تالیفِ قلمی نہیں تھی تو ثابت ہو گیا کہ ان کا جمع ہونا اس لیے تھا کہ وہ خلافت کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استحقاق، فضیلت اور مسابقت جانتے تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت ان فضائل و مناقب کی وجہ سے کی تھی، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خاص کیے ہوئے تھے۔“ (الامامة والرد على الرافضة لابی نعیم الاصبهانی: ۲۱۴-۲۱۵)

⑥ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ذکر الروایات الصحیحة عن الصحابة رضی اللہ عنہم باجماعہم فی مخاطبتہم ایاہم بیا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .
”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح روایات کا بیان کہ وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اے خلیفہ رسول اللہ! کہہ کر مخاطب کرنے پر متفق تھے۔“ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۷۹/۳)

⑦ حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (۳۸۴-۴۵۸ھ) یوں باب قائم کرتے ہیں:
باب اجتماع المسلمین علی بیعة اُبی بکر الصّدیق و انقیادہم لامامتہ .
”مسلمانوں کے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق ہو جانے اور ان کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کے لیے مطیع ہو جانے کا بیان۔“ (الاعتقاد للبیہقی: ۴۸۶)

⑧ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) لکھتے ہیں: لَأَنَّ الْأُمَّةَ إِذَا وَلَّسَتْهُ طَوْعًا مِنْهَا بَغِيرَ التَّزَامِ، وَكَانَ هُوَ الَّذِي يَرْضَاهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ كَانَ أَفْضَلَ لِلْأُمَّةِ، وَدَلَّ عَلَى عِلْمِهَا وَدِينِهَا، فَاتَّهَتْ لَوْ أُلْزِمَتْ بِذَلِكَ لَرَبَّمَا قِيلَ: إِنَّهَا أَكْرَهَتْ عَلَى الْحَقِّ، وَهِيَ لَا تَخْتَارُهُ، كَمَا يَجْرِي ذَلِكَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ، وَيُظَنُّ الطَّغَانُ أَنَّهُ كَانَ فِي الْأُمَّةِ بَقَايَا الْجَاهِلِيَّةِ مِنَ التَّقَدُّمِ بِالْأَنْسَابِ..... فَلَمَّا اتَّفَقُوا عَلَى بَيْعَتِهِ، وَلَمْ يَقُلْ قَطُّ أَحَدٌ: إِنِّي أَحَقُّ بِهَذَا الْأَمْرِ مِنْهُ، لَا قُرَشِي وَلَا أَنْصَارِي، فَإِنَّ مِنْ نَازِعٍ أَوَّلًا مِنَ الْأَنْصَارِ لَمْ تَكُنْ مَنَازَعَتُهُ لِلصَّدِيقِ، بَلْ طَلَبُوا أَنْ يَكُونَ مِنْهُمْ أَمِيرٌ وَمِنْ قُرَيْشٍ أَمِيرٌ، وَهَذِهِ مَنَازَعَةُ عَامَّةِ قُرَيْشٍ، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ فِي قُرَيْشٍ قَطْعُوا الْمَنَازَعَةَ..... ثُمَّ بَايَعُوا أَبَا بَكْرٍ مِنْ غَيْرِ طَلَبٍ مِنْهُ وَلَا رَغْبَةٍ بِذَلِكَ لَهُمْ وَلَا رَهْبَةٍ، فَبَايَعَهُ الَّذِينَ بَايَعُوا الرَّسُولَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ وَالَّذِينَ بَايَعُوهُ لَيْلَةَ الْعَقْبَةِ وَالَّذِينَ بَايَعُوهُ لَمَّا كَانُوا يَهَاجِرُونَ إِلَيْهِ وَالَّذِينَ بَايَعُوهُ لَمَّا كَانُوا يَسْلُمُونَ مِنْ غَيْرِ هَجْرَةٍ كَالطَّلَاقِ وَغَيْرِهِمْ، وَلَمْ يَقُلْ أَحَدٌ قَطُّ: إِنِّي أَحَقُّ بِهَذَا مِنْ أَبِي بَكْرٍ، وَلَا قَالَ أَحَدٌ فِي أَحَدٍ بَعِينُهُ: إِنَّ فَلَانًا أَحَقُّ بِهَذَا الْأَمْرِ مِنْ أَبِي بَكْرٍ، وَإِنَّمَا قَالَ مِنْ فِيهِ أَثَرُ جَاهِلِيَّةٍ عَرَبِيَّةٍ أَوْ فَارَسِيَّةٍ: إِنَّ بَيْتَ الرَّسُولِ أَحَقُّ بِالْوِلَايَةِ، لِأَنَّ الْعَرَبَ فِي جَاهِلِيَّتِهَا

كانت تقدّم أهل الرؤساء ، وكذلك الفرس يقدّمون أهل بيت الملك ، فنقل من نقل منه كلام يشير به الى هذا ، كما نقل عن أبي سفيان ، وصاحب هذا الرأي لم يكن له غرض فى على ، بل كان العباس عنده بحكم رأيه أولى من على ، وان قدر أنّه رجّح علياً فلعلمه بأنّ الاسلام يقدّم الايمان والتقوى على النسب ، فأراد أن يجمع بين حكم الجاهلية والاسلام ، فأما الذين كانوا لا يحكمون الا بحكم الاسلام المحض ، وهو التقدّم بالايمان والتقوى ، فلم يختلف منهم اثنان فى أبى بكر ، ولا خالف أحد من هؤلاء ولا هؤلاء فى أنّه ليس فى القوم أعظم ايماناً وتقوى من أبى بكر ، فقدّموه مختارين له ، مطيعين ، فدلّ على كمال ايمانهم وتقواهم واتباعهم لما بعث الله به نبيهم من تقديم الأتقى للأتقى ، وكان ما اختاره الله لنبيهم صلى الله عليه وسلم ولهم أفضل لهم والحمد لله على أن هدى هذه الأمة وعلى أن جعلنا من أتباعهم ...

”کیونکہ جب امت مسلمہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خوشی سے بغیر مجبور کیے جانے کے خلافت سونپی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ امت میں سے افضل ترین شخص تھے، تو اس سے امت کے علم اور دین کا بھی علم ہوتا ہے، کیونکہ اگر امت پر یہ کام لازم کیا جاتا تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ اسے اس حق پر نہ چاہتے ہوئے مجبور کیا گیا ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل کے ساتھ یہ معاملہ چلتا رہا ہے اور کوئی خیال کرنے والا یہ خیال کر سکتا تھا کہ امت میں جاہلیت باقی ہے، یعنی نسب کی وجہ سے مقدم ہونے کا قانون۔ جب وہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق ہو گئے اور ان میں سے کسی قریشی یا کسی انصاری نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ میں اس معاملے میں آپ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق دار ہوں تو جس شخص نے پہلے پہل منازعت کی، اس کی منازعت بھی صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہ تھی، بلکہ وہ اس بات کا مطالبہ کرتے تھے کہ ایک امیر ان میں سے ہو اور دوسرا قریش میں سے اور یہ منازعت تمام قریش کی تھی، جب اس کے لیے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ خلافت والا معاملہ قریش میں ہی ہے تو انہوں نے منازعت ختم کر دی۔۔۔ پھر انہوں نے بغیر ترغیب و ترہیب کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت ان لوگوں نے کی، جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت رضوان کی تھی، ان لوگوں نے بھی، جنہوں نے عقبہ کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی، ان لوگوں نے بھی، جنہوں نے ہجرت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی، ان لوگوں نے بھی مسلمان ہوتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی اور ان لوگوں نے بھی، جنہوں نے بغیر ہجرت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بیعت کی تھی، جیسا کہ آزاد کردہ غلام وغیرہ، کسی نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ میں اس معاملے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق دار ہوں اور نہ یہ بات کسی نے کسی معین شخص کے بارے میں کہی کہ وہ اس معاملے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق دار ہے۔ ہاں یہ بات اس شخص نے کہی تھی، جس میں ابھی عربی یا فارسی جاہلیت موجود تھی کہ رسول اکرم ﷺ کا گھرانہ ولایت کا زیادہ حق رکھتا ہے، کیونکہ عرب لوگ جاہلیت میں اپنے سرداروں کے گھر والوں کو مقدم کرتے تھے، اسی طرح فارسی لوگ اپنے بادشاہ کے گھر والوں کو مقدم کرتے تھے، چنانچہ جس سے ایسی بات منقول ہے، وہ اسی طرف ہی اشارہ کر رہا تھا، جیسا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس رائے کے حامل شخص کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کوئی غرض نہ تھی، بلکہ اس کے نزدیک عباس رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مناسب تھے۔ اگر یہ فرض بھی کر لیں کہ اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پسند کیا تھا تو اس کے علم میں یہ بھی تھا کہ اسلام ایمان و تقویٰ کو نسب سے مقدم کرتا ہے، اس نے چاہا کہ جاہلیت اور اسلام کے حکم کو جمع کر لیا جائے، لیکن جو لوگ صرف اسلام کے حکم کے ساتھ فیصلے کرتے تھے، یعنی ایمان و تقویٰ کی بنیاد پر مقدم کرنا، ان میں سے کوئی دو بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مختلف نہیں ہوئے، نہ ہی ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک نے بھی اس بات میں اختلاف کیا کہ ایمان و تقویٰ کے اعتبار سے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑا کوئی نہیں، اس لیے انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو پسند کرتے اور آپ کی اطاعت کرتے ہوئے آپ کو مقدم کیا، یہ بات ان کے ایمان، تقویٰ اور اس چیز میں ان کے اتباع قرآن و سنت پر دلالت کرتی ہے کہ تقویٰ کی بنیاد پر کسی کو مقدم کیا جائے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی ﷺ کے لیے اور ان کے لیے پسند کی تھی، وہ ان کے لیے بہتر و افضل تھی، اللہ کا شکر ہے اس بات پر کہ اس نے اس امت کو ہدایت دی اور ہمیں ان کے پیروکار بنایا۔۔۔“ (منہاج السنۃ لابن تیمیہ : ۳/۳۶۶-۳۷۰)

⑨ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱-۷۷۷ھ) لکھتے ہیں: ومن تأمل ما ذکرناہ ظہر لہ اجماع الصحابة المهاجرين منهم والأنصار علی تقدیم ابی بکر و ظہر برہان قولہ علیہ السّلام : ((یأبی اللہ والمؤمنون ألا أبا بکر))، و ظہر لہ أنّ رسول اللہ لم ینصّ علی الخلافة عینا لأحد من النّاس لا لأبی بکر، کما قد زعمہ طائفة من أهل السنّة، ولا لعلی، کما یقولہ طائفة من الرّافضة، ولكن أشار اشارة قویة فیفہمہا کلّ ذی لبّ وعقل الی الصّدیق ...

”جو شخص ہمارے ذکر کردہ دلائل پر غور و فکر کرے گا، اس کے لیے مہاجرین و انصار صحابہ کرام کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقدم کرنے پر اجماع ظاہر ہو جائے گا، نیز اس فرمان نبوی کی برہان واضح ہو جائے گی کہ ’اللہ اور مومن

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہر شخص کا انکار کرتے ہیں (صحیح بخاری: ۷۲۱۷، صحیح مسلم: ۲۳۸۷)، اسی طرح اس کے لیے ظاہر ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں میں سے کسی کے لیے بھی صراحۃً خلافت ثابت نہیں کی تھی، نہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے، جیسا کہ بعض اہل سنت کا خیال ہے اور نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے، جیسا کہ بعض رافضیوں کا دعویٰ ہے، بلکہ آپ ﷺ نے ایسے واضح اشارے فرمائے ہیں، جن کو ہر عقل و شعور والا شخص صرف سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے طرف سمجھتا ہے۔“ (البداية والنهاية لابن كثير: ۲۵۰/۵)

⑩ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں: فهذا ما تبسّر من سيرة العشرة، وهم أفضل قريش وأفضل السابقين المهاجرين، وأفضل البدرين، وأفضل أصحاب الشجرة، وساحة هذه الأمة في الدنيا والآخرة، فأبعد الله الرافضة، ما أغواهم وأشدّ هواهم، كيف اعترفوا بفضل واحد منهم وبخسوا التسعة حقهم، وافتروا عليهم بأنهم كنمو النّص في عليّ أنّه الخليفة؟ فوالله ما جرى من شيء، وأنّهم زوّروا الأمر عنه بزعمهم، وخالفوا نبيهم، وبادروا الى بيعه رجل من بني تميم، يتّجر ويتكسّب، لا لرغبة في أمواله، ولا لرغبة من عشيرته ورجاله، ويحك أي فعل هذا من له مسكة عقل؟ ولو جاز هذا على واحد لما جاز على جماعة، ولو جاز وقوعه من جماعة، لاستحال وقوعه والحالة هذه من ألوف من سادة المهاجرين والأنصار، وفرسان الأمّة، وأبطال الاسلام، لكن لا حيلة في براء الرّفص، فانه داء مزمن، والهدى نور يقذفه الله في قلب من يشاء، فلا قوة الا بالله...

”یہ عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت پر میسر مواد ہے، وہ قریش، مہاجرین، بدر والوں اور بیعت رضوان والوں سب صحابہ سے افضل اور دنیا و آخرت میں اس امت کے سردار ہیں، اللہ تعالیٰ رافضیوں کو تباہ کرے! وہ کتنے گمراہ اور کتنے خواہش پرست ہیں! کیسے انہوں نے ان میں سے ایک کی فضیلت کا اعتراف کیا اور باقی نو کے حق میں خیانت کی اور ان پر یہ جھوٹ باندھا کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں نص کو چھپایا لیا تھا! اللہ کی قسم ایسی کوئی بات نہیں ہوئی کہ انہوں نے اپنے خیال سے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جھوٹ گھڑ لیا ہو، اپنے نبی کی مخالفت کی ہو اور بنو تميم میں سے ایک ایسے آدمی کی بیعت کی طرف جلدی کی ہو، جو تجارت و کاروبار کرتا تھا، یہ کام نہ اس کے مال کی طرف رغبت کرتے ہوئے کیا اور نہ اس کے کنبہ و قبیلہ سے ڈرتے ہوئے کیا، افسوس! کیا کوئی ذرا سی بھی عقل رکھنے والا شخص ایسا کر سکتا ہے؟ اگر یہ کام ایک شخص سے

ممکن ہو تو جماعت سے ممکن نہیں، اگر جماعت سے بھی ممکن ہو تو اس حالت میں ایسا ہونا مہاجرین و انصار کے ہزاروں سرداروں، امت کے سربراہوں اور اسلام کے بہادروں سے محال ہے، لیکن فرض سے رہائی پانے کی کوئی راہ نہیں، کیونکہ یہ مہلک مرض ہے اور ہدایت ایسا نور ہے، جو اللہ تعالیٰ جس کے دل میں چاہے ڈالتا ہے،

اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہدایت دینے کی قوت ہے۔۔۔“ (سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۱/۱۴۰-۱۴۱)

اسی طرح کی فیصلہ کن بات حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی ذکر کی ہے کہ:

وَأَمَّا مَا يَفْتَرِيهِ كَثِيرٌ مِنْ جَهْلَةِ الشَّيْعَةِ وَالْقَصَاصِ الْأَغْيَبَاءِ مِنْ أَنَّهُ أَوْصَىٰ إِلَىٰ عَلِيٍّ بِالْخِلَافَةِ ، فَكُذِبَ وَبُهِتَ وَافْتَرَاءٌ عَظِيمٌ يَلْزِمُ مِنْهُ خَطَأٌ كَبِيرٌ مِنْ تَخْوِينِ الصَّحَابَةِ وَمِمَّا لَا تَنْهَمُ بَعْدَهُ عَلَىٰ تَرْكِ انْفِذَاصِ وَصِيَّتِهِ وَابْتِغَاءِهَا إِلَىٰ مَنْ أَوْصَىٰ إِلَيْهِ ، وَصَرَفَهُمْ أَيَّاهَا إِلَىٰ غَيْرِهِ ، لَا لِمَعْنَى وَلَا لِسَبَبٍ ، وَكَلَّ مُؤْمِنٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ يَتَحَقَّقُ أَنَّ دِينَ الْإِسْلَامِ هُوَ الْحَقُّ يَعْلَمُ بَطْلَانَ هَذَا الْفِتْرَاءِ ، لِأَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوا خَيْرَ الْخَلْقِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ ، وَهُمْ خَيْرُ قُرُونِ هَذِهِ الْأُمَّةِ الَّتِي هِيَ أَشْرَفُ الْأُمَمِ بِنَصِّ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ وَاجْتِمَاعِ السَّلَفِ وَالْخَلْفِ ، فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، وَلِلَّهِ الْحَمْدُ ...

”اور جو بات اکثر جاہل شیعہ اور بد دماغ واعظین بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں وصیت کی تھی، وہ جھوٹ، بہتان اور بہت بڑا افتراء ہے، جس سے ایک بہت بڑی غلطی لازم آتی ہے، وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (معاذ اللہ) خائن تھے، آپ ﷺ کے بعد انہوں نے آپ کی وصیت کو نافذ کرنے اور اسے وصیت کیے جانے والے شخص تک پہنچانے میں ٹال مٹول سے کام لیا اور اس وصیت کو اس شخص کے غیر کی طرف پھیر دیا، بغیر کسی سبب اور وجہ کے۔ اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والا اور دین اسلام کو ہی حق سمجھنے والا ہر شخص اس جھوٹ کا گھڑا جانا پہچان جاتا ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب مخلوق میں سے بہترین لوگ ہیں اور وہی اس امت میں سے سب سے بہتر گروہ ہیں، جو امت قرآن کریم اور اجماع سلف و خلف کی رُو سے دنیا و آخرت میں سب سے بہترین امت ہے۔۔۔“

(البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ۷/۲۲۵)

خلافت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اجماع صحابہ

دلیل نمبر ①: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ

کی وفات ہوئی تو انصار صحابہ نے کہا: مَنَا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ ، فَأَتَاهُمْ عُمَرُ ، فَقَالَ : أَلَسْتُمْ

تعلمون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد أمر أبا بكر أن يصلي بالناس ، فأياكم تطيب نفسه أن يتقدم أبا بكر ، قالوا : نعوذ بالله أن نتقدم أبا بكر !

”ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور فرمایا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی امامت کا حکم دیا تھا؟ تم میں سے کون ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقدم ہونا چاہتا ہے؟ انہوں نے کہا، ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھیں۔“

(مسند الامام احمد : ۱/۲۷۱، سنن النسائی : ۷۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ : ۲/۳۳۰، ۴/۵۶۷، طبقات ابن سعد : ۲/۲۲۴، ۳/۱۷۸-۱۷۹، السنة لابن ابی عاصم : ۱۱۹۳، المعرفة والتاریخ ليعقوب بن سفيان الفسوی : ۱/۴۵۴، المستدرک للحاکم : ۲/۶۷، السنن الكبرى للبيهقي : ۸/۱۵۲، التمهيد لابن عبد البر : ۲۲/۱۲۸-۱۲۹، وسنده حسن)

اس حدیث کی سند کو امام حاکم رحمہ اللہ نے ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو ”حسن“ کہا ہے۔ (فتح الباری : ۲/۱۵۳)

دلیل نمبر ۲ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

سمعت عمر يقول لأبي بكر يومئذ : اصعد على المنبر ، فلم يزل به حتى صعد المنبر ، فبايعه الناس عامة .
”میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے سنا کہ منبر پر چڑھیں، وہ مسلسل یہ بات کہتے رہے حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھ گئے، پھر تمام لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔“ (صحیح بخاری : ۲/۱۰۷۲، ح : ۷۲۱۹)

دلیل نمبر ۳ : سالم بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ پر مرض موت

میں غشی طاری ہوگئی، افاقہ ہونے پر فرمایا، کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ صحابہ نے جواب میں عرض کیا، جی ہاں! تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ اذان کہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔۔

واجتمع المهاجرون يتشاورون ، فقالوا : انطلقوا بنا الى اخواننا من الأنصار ندخلهم معنا في هذا الأمر ، فقالت الأنصار : منا أمير ومنكم أمير ، فقال عمر : من له مثل هذا : ﴿ اذْهُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ﴾ (التوبة : ۴۰) ، من هما ؟ ثم بسط يده ، فبايعه و بايعه الناس بيعة حسنة جميلة ...
”اور مہاجرین مشاورہ کرنے کے لیے جمع ہوئے، انہوں نے کہا، ہمیں ہمارے انصار بھائیوں کے پاس لے چلو، ہم ان کو بھی اس معاملہ میں شریک کریں گے، انصار نے کہا،

ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے، اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس جیسی منقبت کس کے لیے ہے؟ ﴿إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (التوبة: ٤٠)، (جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے)، وہ دونوں کون ہیں؟ پھر آپ نے ہاتھ بڑھایا اور بیعت کی اور سب لوگوں نے اچھی اور خوبصورت بیعت کی۔“ (السنن الکبریٰ للسنائی: ٨١٠٩، ١١٣٩ الشماثل للترمذی: ٣٩٧، سنن ابن ماجہ: ١٣٣٤، مسند عبد بن حمید: ٣٦٥، المعجم الکبیر للطبرانی: ٦٣٦٧، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (١٥٤١، ١٦٢٤) نے ”صحیح“ کہا ہے، حافظ بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رجالہ ثقات۔ ”اس کے راوی ثقہ ہیں۔“ (مجمع الزوائد: ١٨٣/٥)

بوصیری کہتے ہیں: هذا اسناد صحیح، رجالہ ثقات۔ ”یہ سند صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔“ (مصباح الزجاجة: ١٤٦/١)

اعتراض نمبر ①: سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ (صحیح بخاری: ١٠١٧/٢، ح: ٦٨٣٠)

جواب: اس کی سند زہری کی تدلیس کی وجہ سے مخدوش ہے۔ یاد رہے کہ یہ روایت صحیح بخاری کے موضوع سے خارج ہے، کیونکہ صحیح بخاری کی مرفوع متصل احادیث کی صحت پر اجماع ہوا ہے، جبکہ یہ روایت موقوف ہے۔ جہاں زہری رحمہ اللہ نے سماع کی تصریح کی ہے، وہاں یہ واقعہ موجود نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ②: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ (صحیح بخاری: ٦٠٩/٢، ح: ٤٢٤٠، ٤٢٤١، صحیح مسلم: ٩٢، ٩٧/٢، ح: ١٧٥٩)

مسند ابی بکر المروزی (٣٩) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (٣٠٠/٦) میں ہے: فقال رجل للزهری: فلم یبایعه علی رضی اللہ عنہ ستّة أشهر، قال: ولا أحد من بنی ہاشم، حتیٰ یبایعه علی۔ ”ایک آدمی نے زہری رحمہ اللہ سے کہا، علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تو انہوں نے فرمایا، نہ ہی بنو ہاشم میں سے کسی نے بیعت کی، حتیٰ کہ علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی۔“

جواب: حافظ بیہقی رحمہ اللہ اس کے رد و جواب میں لکھتے ہیں:

والذی روى أنّ علياً لم يبايع أبابكر ستة أشهر ، ليس من قول عائشة ، إنما هو من قول الزهري ، فأدرجه بعض الرواة في الحديث عن عائشة في قصة فاطمة رضي الله عنهم ، وحفظه معمر بن راشد ، فرواه مفصلاً ، وجعله من قول الزهري منقطعاً من الحديث ، وقد روينا في الحديث الموصول عن أبي سعيد الخدري ومن تابعه من أهل المغازي أنّ علياً بايعه فيبيعة العامة بعد التي جرت في السقيفة ، ويحتمل أنّ علياً بايعه بيعة العامة ...

”یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت چھ ماہ بعد کی ہے، یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نہیں، بلکہ یہ تو زہری رضی اللہ عنہ کا قول ہے، کسی راوی نے اسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قصے والی حدیث میں داخل کر دیا ہے، معمر بن راشد نے اسے یاد رکھا ہے اور مفصل طور پر بیان کر کے اسے زہری رضی اللہ عنہ کا قول ہی قرار دیا ہے، جو کہ حدیث سے جدا ہے، اور ہم نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک موصول حدیث بیان کی ہے، ان کے بعد والے اہل مغازی بھی یہی کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سقیفہ میں ہونے والی عام بیعت میں ہی بیعت کر لی تھی، یہ بھی ممکن ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد عام بیعت کی ہو۔“

(الاعتقاد : ص ۱۸۰ ونسخة اخرى : ص ۴۹۴)

یعنی یہ امام زہری کا ”منقطع“ قول ہے، جو ”صحیح“ حدیث کے خلاف بھی ہے، لہذا ناقابل حجت ہے۔

دلیل نمبر : ۴ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : لَمَّا تَوَقَّى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام خطباء الأنصار ، فجعل الرجل منهم يقول : يا معشر المهاجرين ! ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا استعمل رجلا منكم قرن معه رجلا منا ، فنرى أن يلي هذا الأمر رجلا من ، أحدهما منكم والآخر منا ، قال : فتتابع خطباء الأنصار على ذلك ، فقام زيد بن ثابت رضي الله عنه ، فقال : ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان من المهاجرين ، وان الامام انما يكون من المهاجرين ، ونحن أنصاره كما كنا أنصار رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقام أبو بكر رضي الله عنه ، فقال : جزاكم الله خيرا من حي يا معشر الأنصار ، وثبت قائلكم ، ثم قال : والله لو فعلتم غير ذلك لما صالحناكم ، ثم أخذ زيد بن ثابت بيد أبي بكر ، فقال : هذا صاحبكم ، فبايعوه ، ثم انطلقوا ، فلما قعد أبو بكر رضي الله عنه على المنبر نظر في وجوه القوم ، فلم ير علياً رضي الله عنه ، فسأل عنه ، فقام ناس من الأنصار ، فأتوه به ، فقال أبو بكر رضي الله عنه : ابن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم وخنته ! أردت أن

تشقّ عصا المسلمين ، فقال : لا تثريب يا خليفة رسول الله ! فبايعه ، ثم لم ير الزبير بن العوام رضى الله عنه ، فسأل عنه ، حتّى جاء وابه ، فقال : ابن عمّة رسول الله صلى الله عليه وسلم وحواريّه ! أردت أن تشقّ عصا المسلمين ، فقال مثل قوله : لا تثريب يا خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم ! فبايعاه .

جب رسول کریم ﷺ فوت ہوئے تو انصار کے خطباء کھڑے ہو گئے ، ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا ، اے مہاجرین کی جماعت ! رسول اللہ ﷺ جب کسی تمہارے آدمی کو عامل مقرر کرتے تو ہم میں سے ایک آدمی کو بھی ساتھ ملاتے ، لہذا ہمارا خیال ہے کہ اس (خلافت والے) معاملے کے بھی دو آدمی والی بنیں ، ایک تم میں سے اور دوسرا ہم میں سے ، انصار کے خطباء لگا تار یہ بات کہنے لگے تو سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا ، رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے تھے اور امام بھی مہاجرین میں سے ہی ہونا چاہیے ، ہم اس کے معاون ہوں گے ، جس طرح کے ہم رسول اللہ ﷺ کے معاون تھے ، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا ، اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے ! اے انصار کی جماعت ! اللہ تمہارے قاتل کو ثابت رکھے ، پھر فرمایا ، اگر تم اس کے علاوہ کوئی کام کرتے تو ہم تمہارے ساتھ صلح نہ کرتے ، پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا ، یہ ہے تمہارا خلیفہ ، اس کی بیعت کرو ، پھر وہ چلے ، جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ گئے اور لوگوں کے چہروں میں نظر دوڑائی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھا ، ان کے بارے میں پوچھا ، کچھ انصاری کھڑے ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کو لے آئے ، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ، اے اللہ کے رسول ﷺ کے بچا کے بیٹے اور آپ کے داماد ! کیا آپ مسلمانوں کی وحدت کو توڑنا چاہتے ہیں ؟ انہوں نے کہا ، اے اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ ! کوئی ملامت نہیں ، پھر انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا زید بن عوام رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھا تو ان کے بارے میں سوال کیا ، یہاں تک کہ لوگ ان کو لے آئے ، آپ نے فرمایا ، اے اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی کے بیٹے اور آپ رضی اللہ عنہ کے حواری ! کیا آپ مسلمانوں کی وحدت کو توڑنا چاہتے ہیں ؟ تو انہوں نے بھی اسی طرح (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرح ہی) کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ ! کوئی ملامت نہیں ، پھر انہوں

نے بیعت کر لی ۔“ (مسند الامام احمد : ۱۸۵/۵-۱۸۶ ، مسند الطیالسی : ۶۰۳ ، المعجم الکبیر للطبرانی : ۴۷۸۵ ، المستدرک للحاکم : ۷۶/۸ السنن الکبری للبیہقی : ۱۴۳/۸ واللفظ له ، وسندہ صحیح)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں : جاء نبي مسلم بن الحجاج ، فسألني عن هذا

الحديث ، فكتبته له في رقعة ، وقرأت عليه ، فقال : هذا حديث يسوى بدنة ، فقلت : يسوى بدنة ، بل هو يسوى بدره . ”میرے پاس امام مسلم بن حجاج آئے اور اس حدیث کے بارے میں سوال کیا، میں نے ان کو یہ حدیث ایک رقعہ میں لکھ دی اور ان پر پڑھی تو انہوں نے کہا، یہ حدیث اونٹ کے برابر ہے، میں نے کہا اونٹ کے برابر، بلکہ یہ تو اشرافیوں کی تھیلی کے برابر ہے۔“

(السنن الكبرى للبيهقي : ١٤٣/٨ ، وسنده صحيح)

حافظ حاکم رحمہ اللہ نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر ”صحیح“ قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء : ٤٣٣/٢)

حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : رواه الطبرانی وأحمد ورجاله رجال الصّحيح .
”اس حدیث کو امام طبرانی اور امام احمد نے بیان کیا ہے اور اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔“
(مجمع الزوائد : ١٨٣/٥)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وهذا اسناد صحيح محفوظ من حديث أبي نضرة المنذر بن مالك بن قطعة عن أبي سعيد سعد بن مالك بن سنان الخدری ، وفيه فائدة جلیلة ، وهي مبايعة عليّ بن أبي طالب : اما في أول يوم أو في اليوم الثاني من الوفاة ، وهذا حق ، فانّ عليّ بن أبي طالب لم يفارق الصّدیق في وقت من الأوقات ، ولم ينقطع في صلاة من الصلوات خلفه ”ابونضرہ منذر بن مالک بن قطعہ کی ابو سعید سعد بن مالک بن سنان الخدری سے روایت کی یہ سند صحیح اور محفوظ ہے، اس میں ایک عظیم فائدہ بھی ہے اور وہ ہے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے پہلے یا دوسرے دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا، یہ حق ہے، کیونکہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کسی بھی وقت نہیں چھوڑا اور آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازوں میں سے ایک نماز بھی نہیں چھوڑی۔“ (البدایة والنهاية لابن كثير : ٢١١-٢١٠/٥)

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : لما بويع أبو بكر في السقيفة ، وكان الغد جلس أبو بكر على المنبر ، فقام عمر ، فتكلم قبل أبي بكر ، فحمد الله وأثنى عليه ، ثم قال : انّ الله قد جمع أمركم على خيركم صاحب رسول الله واثني اثنين اذهما في الغار ، فقوموا ، فبايعوه ، فبايع الناس أبا بكربيعة العامة بعدبيعة السقيفة ...

”جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سقیفہ میں بیعت کی گئی، اگلے دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے تھے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے بات کی، آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کی، پھر فرمایا، یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملہ کو تم میں سے سب سے بہتر شخص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھی پر جمع کر دیا ہے، جو کہ غار میں دوسرا تھا، لہذا تم کھڑے ہو کر ان کی بیعت کرو، لوگوں نے بیعت سقیفہ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عام بیعت کی۔۔۔“ (السيرة لابن هشام : ۸۲/۶ وسنده حسن)

دلیل نمبر ۶ : قال سعد بن ابراهيم : حدثني أبي أن أباه عبد الرحمن بن عوف كان مع عمر ، وأن محمد بن مسلمة كسر سيف الزبير ، ثم خطب أبو بكر واعتذر الى الناس ، وقال : ما كنت حريصا على الامارة يوما ولا ليلة ، ولا سألتها في سر ولا علانية ، فقبل المهاجرون مقالته وقال عليّ والزبير : ما غضبنا الا لأننا أخرنا عن المشورة ، وأنا نرى أبا بكر أحقّ الناس بها ، أنه صاحب الغار ، وأنا لنعرف شرفه وخبره ، ولقد أمره رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يصليّ الناس وهو حيّ ”سید بن ابراہیم نے کہا، مجھے میرے والد نے بتایا کہ ان کے والد عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی تلوار توڑ دی، پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور لوگوں سے معذرت کی، فرمایا، میں امارت کے لیے ایک دن یا ایک رات بھی حریص نہیں ہوں، نہ ہی میں نے خفیہ یا علانیہ اس کا مطالبہ کیا ہے، مہاجرین نے آپ رضی اللہ عنہ کی بات کو قبول کر لیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا، ہمیں غصہ صرف اس بات نے دلایا تھا کہ ہمیں مشورہ سے پیچھے رکھا گیا تھا، بلاشبہ ہماری یہی رائے ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت کے ہم سے زیادہ مستحق ہیں، ہم آپ کے شرف و عزت کو جانتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی آپ رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دے دیا تھا۔“ (المغازی لموسى بن عقبة بحواله البداية والنهاية لابن كثير : ۲۱۷/۵ وسنده صحيح)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”جید“ کہا ہے۔ (البداية والنهاية : ۲۱۷/۵)

دلیل نمبر ۷ : قال الامام ابن أبي شيبة : حدثنا محمد بن بشر ، نا عبيد الله بن عمر ، حدثنا زيد بن أسلم عن أبيه أسلم أنه حين بويع لأبي بكر بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ، كان عليّ والزبير يدخلان على فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فيشاورونها ويرتجعون في أمرهم ، فلما بلغ ذلك عمر بن الخطاب ، خرج حتى دخل على

فاطمہ، فقال: يا بنت رسول الله! واللہ ما من الخلق أحد أحب الينا منك، وما من أحد أحب الينا بعد أبيك منك، وأيم الله! ما ذاك بمانعي ان اجتمع هؤلاء النفر عندك ان امرتهم أن يحرق عليهم البيت، قال: فلما خرج عمر جاءوها، فقالت: تعلمون أن عمر قد جاءني، وقد حلف بالله لئن عدتم ليحرقن عليكم البيت، وأيم الله! ليمضين ما حلف عليه، فانصرفوا راشدين، فروا رأيكم ولا ترجعوا اليّ، فانصرفوا عنها، فلم يرجعوا اليها حتى بايعوا لأبي بكر. ”زيد بن اسلم اپنے والد اسلم سے بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی تو سیدنا علی اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہما سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس مشورہ کے لیے آتے تھے اور پھر اپنے کام میں واپس چلے جاتے تھے، جب یہ بات سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ آئے، یہاں تک کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر داخل ہوئے اور کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی! اللہ کی قسم! مخلوق میں سے آپ کے والد سے بڑھ کر ہمیں کوئی شخص زیادہ محبوب نہیں اور آپ کے والد کے بعد ہمیں آپ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں، اللہ کی قسم! اگر اب یہ لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے تو مجھے یہ بات اس سے نہیں روکے گی کہ میں ان پر اس گھر کو آگ لگا دوں، جب عمر رضی اللہ عنہ نکل گئے تو وہ لوگ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، انہوں نے کہا، تم جانتے ہو کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے اللہ کی قسم اٹھائی ہے کہ اگر تم دوبارہ آئے تو وہ تم پر گھر کو آگ لگا دیں گے؟ اللہ کی قسم! جو انہوں نے قسم اٹھائی ہے، اسے کر گزریں گے، لہذا بھلے طریقے سے واپس چلے جاؤ، اپنی رائے سوچو، دوبارہ میرے پاس نہ آؤ، وہ لوٹ گئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے واپس لوٹے۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۶۷/۱۴-۵۶۷، وسندہ صحیح)

یہ روایت نص ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر بن عوام نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کی تھی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام اجتہادی اور جذباتی تھا، دراصل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ خیال کرتے تھے کہ ان لوگوں کا اکٹھے کسی پریشانی کا پیش خیمہ ثابت نہ ہو، جس پر سیدہ فاطمہ نے کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔

اس سے کوئی ہرگز یہ بات کشید نہ کر لے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اہل بیت سے بغض تھا، وہ ان کا گھر تک جلانے کے درپے تھے، کیونکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، وہ تو فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اہل بیت ہمیں محبوب ہیں۔ ہم نے قوی اور ٹھوس ثبوت پیش کر دیئے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تھی، ہمارا دعویٰ ہے کہ اس کے خلاف کچھ ثابت نہیں۔

قارئین کے سوالات؟؟

سوال نمبر ① : بلوغت کی کیا نشانی ہے؟

جواب : لڑکے یا لڑکی کو احتلام ہو جائے یا عمر پندرہ سال ہو جائے یا زیرِ ناف بال اُگ آئیں تو وہ بالغ متصور ہوں گے، ہاں! لڑکی کو حیض آنا بھی بلوغت کی علامت ہے۔

① **احتلام** : فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا﴾ (نور: ۵۹) ”اور جب تمہارے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ اجازت لیا کریں۔“

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ آدمی پر غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم۔“

واجب (ثابت) ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲۶۶۵، صحیح مسلم: ۷۴۶)

② **عمر** : سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اُحد کے دن مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا گیا، اس وقت میری عمر چودہ سال تھی، آپ ﷺ نے مجھے (غزوہ میں شرکت کی) اجازت نہیں دی، پھر مجھے غزوہ خندق کے موقع پر پیش کیا گیا، اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی، آپ ﷺ نے مجھے اجازت مرحمت فرمادی۔“ (صحیح بخاری: ۴۰۹۷، صحیح مسلم: ۱۸۶۸)

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
والعمل علی هذا عند أهل العلم، وبه يقول سفيان الثوري وابن المبارك والشافعي وأحمد وإسحاق، يرون أنّ الغلام إذا استكمل خمس عشرة سنة، فحكمه حكم الرجال، وإن احتلم قبل خمس عشرة، فحكمه حكم الرجال، وقال أحمد وإسحاق: البلوغ ثلاثة منازل، بلوغ خمس عشرة، أو الاحتلام، فإن لم يعرف سنّه ولا احتلامه فالإنابة، يعني العانة.

”اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے (یعنی مرد اور عورت کی عمر بلوغ زیادہ سے زیادہ پندرہ سال ہے)، امام سفيان ثوري، امام عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ رحمہم کہتے ہیں کہ

جب بچہ عمر کی پندرہ بہاریں دیکھ لے تو اس کا حکم مردوں والا ہو جاتا ہے، اگر اس کو پندرہ برس سے پہلے احتلام ہو جائے تو پھر بھی وہ مردوں کی صف میں شمار ہوتا ہے، امام احمد اور امام اسحاق کہتے ہیں کہ بلوغت تین طریقوں سے ثابت ہوتی ہے۔ ① پندرہ سال کی عمر ② احتلام ہونا ③ اگر اس کی عمر اور احتلام کے بارے میں علم نہ ہو تو زیر ناف بالوں کا اُگنا بلوغت کی علامت ہے۔“ (سنن الترمذی، تحت حدیث: ۱۳۶۱)

راوی حدیث نافع کہتے ہیں: ”میں نے اس حدیث کو عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے ہاں بیان کیا، اس وقت آپ خلیفہ تھے، آپ نے فرمایا، یہ حدیث بالغ اور نابالغ کے درمیان حد فاصل ہے، پھر انہوں نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ جو بچہ پندرہ برس کی عمر کو پہنچ جائے، اس پر فرائض کی ادائیگی ضروری ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲۶۶۴، صحیح مسلم: ۱۸۶۸)

امام ابن المنذر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وکان النعمان یقول: حد بلوغ الغلام ثمانی عشرة سنة، والجارية سبع عشرة سنة، وهذا خلاف ما ذكرناه من السنن الثابتة وقول من ذكرنا عند ذلك من أهل العلم، ولا نعلم أحدا سبقه الى هذا القول، وليس له فيما قال حجة. ”نعمان (بن ثابت ابو حنیفہ) کہتے تھے کہ لڑکے کی بلوغت کی عمر اٹھارہ سال ہے اور لڑکی کی سترہ سال، یہ بات ہماری ذکر کردہ صحیح و ثابت احادیث اور اہل علم کے قول کے خلاف ہے، ہم نہیں جانتے کہ ان (ابو حنیفہ) سے پہلے کسی نے یہ بات کہی ہو، اس پر سہاگہ یہ کہ ان کے پاس اس بات پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔“ (الاوسط لابن المنذر: ۳۸۹/۴)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ عمر بلوغ پندرہ سال ہے، اس پر اجماع و اتفاق ہے، حدیث اور اجماع امت کے خلاف فتویٰ دینے والے دین کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔

③ **زیر ناف بال :** سیدنا عطیہ القرظی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں (غزوہ بنو قریظہ کے موقع پر) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا گیا، (ہم میں سے) جس کے زیر ناف بال اُگے تھے، وہ قتل کر دیا گیا اور جس کے زیر ناف بال نہیں اُگے تھے، اس کو چھوڑ دیا گیا، میں ان لوگوں میں سے تھا، جن کے زیر ناف بال نہیں اُگے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے مجھے چھوڑ دیا۔“ (سنن ابی داؤد: ۴۴۰۴، سنن النسائی: ۳۴۵۹، سنن الترمذی: ۱۵۸۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۵۱، مسند الامام احمد: ۳۶۱/۴، مسند الطیالسی: ۱۲۸۴، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن صحیح“، امام ابن حبان رحمہ اللہ (۴۷۶۰)، امام ابن

الجارود رحمہ اللہ (۱۰۴۵) نے ”صحیح“ اور امام حاکم رحمہ اللہ (۱۲۳/۲) نے شیخین کی شرط پر ”صحیح“ قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں: والعمل علی هذا عند بعض أهل العلم أنهم يرون الانبات بلوغا ، ان لم يعرف احتلامه ولا سنّه ، وهو قول أحمد واسحاق .
 ”بعض اہل علم اس حدیث کے عامل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ زیرِ ناف بالوں کا اُگنا بلوغت کی نشانی ہے، اگرچہ احتلام اور عمر کا پتا نہ بھی چل سکے، یہ امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔“
 ثابت ہوا کہ بلوغت کی دوسری نشانیاں ظاہر نہ بھی ہوں اور صرف زیرِ ناف بالوں کا اُگنا ہی بلوغت کی علامت ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نابالغ پر حد نہیں ہے۔

③ حیض : حیض عورت کے لیے بلوغت کی نشانی ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:
 ﴿وَاللَّائِي يَئْسَنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نَسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُولَئِهُنَّ الْأَحْمَالُ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ۴)
 ”اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے وہ عورتیں جو حیض سے ناامید ہو جائیں، اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور جن عورتوں کو ابھی حیض نہ آیا ہو (ان کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے)، اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔“
 اس بات پر مسلمانوں کا اجماع و اتفاق بھی ہے، جیسا کہ امام ابن المنذر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فالاختلام والانبات واستكمال خمس عشرة سنة حد للبلوغ الذي يجب على الرجال والنساء بوجود أى واحدة من هذه الخصال كان موجودة الفرائض والحدود ، وفي المرأة خصلة رابعة تجب بوجودها فيها عليها الفرائض ، وهي الحيض ، وقد أجمع أهل العلم على أنّ وجود الحيض في المرأة تجب الفرائض .

”مردوں اور عورتوں کے لیے احتلام کا ہونا، زیرِ ناف بالوں کا اُگنا اور پندرہ سال عمر مکمل ہونا علامتِ بلوغ ہے، ان میں سے جو بھی علامت پائی جائے، فرائض و حدود کو واجب کر دے گی، عورت میں ایک چوتھی علامتِ بلوغ بھی ہے، جو کہ حیض ہے، اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کو حیض آجائے تو اس پر فرائض کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔“ (الوسط لاین المنذر: ۳۸۸/۴) واللہ أعلم!

سوال نمبر ② : نمازِ جنازہ میں سلام ایک طرف پھیرنا چاہیے یا دوطرف؟

جواب : نبی اکرم ﷺ سے نمازِ جنازہ میں صرف ایک طرف سلام پھیرنا ثابت ہے۔

دلیل نمبر ① : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی جنازة ، فکبر علیہا أربعاً ، وسلم تسليمه واحدة . ”بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک میت پر نمازِ جنازہ پڑھائی، اس پر چار تکبیریں کھیں اور پھر ایک ہی سلام پھیرا۔“

(سنن الدارقطنی: ۱۷۷/۲، ح: ۱۷۹۹ المستدرک للحاکم: ۳۶۰/۱ السنن الكبرى للبیہقی: ۴۳/۴، وسندہ حسن)

دلیل نمبر ② : نافع سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

أنه كان اذا صلى على الجنازة رفع يديه ، فکبر ، فاذا فرغ سلم على يمينه واحدة . ”آپ رضی اللہ عنہما جب نمازِ جنازہ پڑھتے تو رفع الیدین کرتے، پھر تکبیر کہتے، پھر جب فارغ ہوتے تو اپنے دائیں جانب ایک سلام پھیرتے۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۷/۳، وسندہ صحیح)

دلیل نمبر ③ : عمرو بن مہاجر الدمشقی کہتے ہیں:

صليت مع وائلة بن الأسقع على ستين جنازة ، من الطاعون ، رجال ونساء ، فکبر أربع تكبيرات ، وسلم تسليمه . ”میں نے سیدنا وائلہ بن أئق رضی اللہ عنہ کے ساتھ طاعون سے مرنے والے مردوں عورتوں کے ساتھ جنازے پڑھے، آپ چار تکبیریں کہتے اور ایک سلام پھیرتے۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۷/۳، وسندہ صحیح)

دلیل نمبر ④ : سعید بن جبیر تابعی رضی اللہ عنہ، ایک سلام پھیرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۷/۳، وسندہ صحیح)

دلیل نمبر ⑤ : امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ، ایک سلام پھیرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۷/۳، وسندہ صحیح)

دلیل نمبر ⑥ : امام حسن بصری رضی اللہ عنہ، ایک سلام پھیرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۷/۳، وسندہ صحیح)

دلیل نمبر ④ : امام کھول تابعی رحمہ اللہ ایک سلام پھیرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ : ۳/۳۰۷، وسندہ صحیح)

دلیل نمبر ⑤ : امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”من سلم علی الجنائز بتسلیمتین ، فهو جاهل ، جاهل .“ جس نے نماز جنازہ پر دو

سلام پھیرے ، وہ جاہل ہے ، جاہل ہے۔“ (مسائل احمد لابی داؤد : ۱۵۴، وسندہ صحیح)

دلیل نمبر ⑥ : ابوالفضل صالح بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ) اپنے والد امام

احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں بتاتے ہیں : وکان یکبّر علی الجنائز أربعا ، ويرفع يديه

مع کل تکبيرة ، ويقرأ فاتحة الكتاب في أول تكبيرة ، ثم يسلم تسليمه واحدة .

”آپ رحمہ اللہ جنازے پر چار تکبیریں کہتے ، ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے ، پہلی تکبیر کے بعد سورہ

فاتحہ پڑھتے ، پھر ایک ہی سلام پھیر دیتے۔“ (سیرۃ الامام احمد بن حنبل لابی الفضل صالح بن احمد : ص ۴۰)

دونوں طرف سلام پھیرنے کے دلائل اور ان کا جائزہ

نماز جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کے بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔

دلیل نمبر ① : ابراہیم الحجری کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رحمہ اللہ سے ایک

جنازہ پر دائیں بائیں سلام پھیرا اور فرمایا : رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع هكذا .

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے دیکھا ہے۔“ (السنن الکبریٰ للبیہقی : ۴۳/۴)

تبصرہ : اس روایت کی سند ”ضعیف“ ہے ، اس میں ابراہیم بن مسلم ہجری راوی جمہور کے

نزدیک ”ضعیف“ ہے ، اس پر امام ابو حاتم الرازی ، امام نسائی ، امام بخاری ، امام ترمذی ، امام ابن عدی ، امام

یحییٰ بن معین ، امام احمد بن حنبل ، امام جوزجانی ، امام ابن سعد اور ابن جنید رحمہم کی سخت جرح ہیں۔

(دیکھیں تہذیب التہذیب لابن حجر : ۱۴۳/۱۴۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو ”لین الحدیث ، رفع موقوفات“ کہا ہے۔ (تقریب التہذیب : ۲۵۲)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (تلخیص المستدرک للذہبی : ۱/۵۵۵)

دلیل نمبر ② : سیدنا عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

ثلاث خلال كان رسول الله صَلَّى الله عليه وسلم يفعلهن ، تركهن الناس ، احداهن التسليم على الجنازة مثل التسليم في الصلاة . ”تین کام ایسے ہیں ، جن کو اللہ کے رسول ﷺ کیا کرتے تھے ، لیکن لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا ہے ، ان میں سے ایک جنازے میں عام نماز کی طرح سلام پھیرنا ہے۔“ (السنن الكبرى للبيهقي : ٤٣/٤)

تبصرہ : یہ روایت ”ضعیف“ ہے ، اس کی سند میں ابراہیم نخعی راوی ”مدلس“ ہیں ، جو کہ ”عن“ سے روایت کر رہے ہیں ، مسلم اصول ہے کہ جب ثقہ مدلس بخاری و مسلم کے علاوہ ”عن“ سے روایت کرے تو وہ روایت ”ضعیف“ ہوتی ہے ، تاوقتیکہ وہ سماع کی صراحت کر دے۔

دلیل نمبر ۳ : سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

صلينا مع رسول الله صَلَّى الله عليه وسلم على جنازة ، فسلم عن يمينه وعن شماله . ”ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک میت پر نماز پڑھی ، آپ ﷺ نے اپنی دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرا۔“ (المعجم الاوسط للطبرانی : ٤٣٤)

تبصرہ : اس کی سند ”ضعیف“ ہے ، اس میں خالد بن نافع الاشعری راوی ”ضعیف“ ہے۔

امام ابو زرہ الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ”ضعیف الحدیث“ ہے۔ (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٣٥٥/٣) امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں : شیخ لیس بقوی ، یکتب حدیثہ . ”یہ شیخ ہے ، قوی نہیں ہے ، اس کی حدیث (متابعات و شواہد میں) لکھی جائے گی۔“ (الجرح والتعديل : ٣٥٥/٣)

امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (كتاب الضعفاء والمتروكين للنسائي : ص ١٧٢)

دلیل نمبر ۴ : ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نماز جنازہ میں دائیں بائیں سلام پھرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ : ٣٠٧/٣ ، وسنده حسن)

تبصرہ : ① ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا یہ فعل ، نبی اکرم ﷺ ، آپ ﷺ کے دو صحابہ سیدنا

ابن عمر رضی اللہ عنہما ، واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ اور جمہور ائمہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہے۔

② ابراہیم نخعی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں : تسليم السهو والجنازة واحد .

”سہو اور جنازہ کا سلام ایک ہی ہے۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ : ٣٠٦/٣ ، وسنده صحيح)

فائدہ : فرض نماز میں ایک سلام کے متعلق مرفوع روایات ساری کی ساری ”ضعیف“ ہیں، البتہ بعض آثارِ صحابہ میں ایک سلام کا ذکر ہے۔ اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ فعلِ نبوی کے مطابق فرض نماز میں سلام دونوں طرف پھیرا جائے۔

صحابہ کرام و تابعین عظام کے آثار سے فرض نماز میں بھی ایک طرف سلام پر اکتفا کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ محدثین کرام سے اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے، لہذا جب فرض نماز میں ایک طرف سلام پھیرنے پر اکتفا کیا جاسکتا ہے تو نمازِ جنازہ میں تو بالاولیٰ جائز ہے، اس پر سہاگہ یہ کہ اس میں نص بھی ثابت ہے۔

الحاصل : نمازِ جنازہ میں صرف ایک سلام ہے، دونوں طرف سلام پھیرنا نبی اکرم ﷺ یا کسی صحابی سے باسنَدِ صحیح ثابت نہیں ہے، مدعی پر دلیل لازم ہے۔

واللہ اعلم وعلہ اھکم !



معاذ، معوذ حاصل مطالعہ

امام دارقطنی رحمہ اللہ (۳۰۶-۳۸۵ھ) فرماتے ہیں:

”بغداد میں اہل علم کی ایک جماعت میں اختلاف واقع ہوا، ایک گروہ کہتا تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور دوسرا کہتا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں، وہ میرے پاس فیصلہ لے کر آئے، انہوں نے اس کے بارے میں مجھ سے سوال کیا، میں خاموش رہا، میں نے خیال کیا کہ خاموشی بہتر ہے، لیکن مجھ سے خاموش نہ رہا گیا، میں نے کہا کہ پرواہ نہیں، وہ جو چاہیں، میرے بارے میں کہہ دیں، میں نے فتویٰ طلب کرنے والے کو بلایا اور کہا، آپ ان کے پاس جا کر کہہ دیں کہ ابوالحسن (دارقطنی) کہتا ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، اس عقیدہ پر صحابہ کرام کا اتفاق و اجماع ہے، اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے، اس سے

رافضیت کی پہلی گرہ کھل جاتی ہے۔“ (سوالات السلمي للدارقطني : ص ۲۳۸)



ایک تقلیدی فتویٰ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أدرك من الصبح ركعة قبل أن تطلع الشمس ، فقد أدرك الصبح ، ومن أدرك من العصر ركعة قبل أن تغرب الشمس ، فقد أدرك العصر .

”جس نے طلوع آفتاب سے پہلے نماز صبح کی ایک رکعت پالی، اس نے نماز صبح پالی اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پڑھ لی، اسے نے عصر کی نماز پالی۔“

(صحیح بخاری: ۰۸۲/۸ ح: ۰۵۷۹، صحیح مسلم: ۰۲۲۷/۸ ح: ۰۶۰۷)

یہ روایت صحیح مسلم (۶۰۹) میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔

یہ حدیث مبارک اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی، باقی رکعات ادا کر لے تو اس کی نماز عصر صحیح ہے، اگر طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر کی ایک رکعت پالی، دوسری رکعت ادا کرنے پر نماز فجر ادا ہو جائے گی۔

اس حدیث کے تحت حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۱-۶۷۲ھ) لکھتے ہیں:

فی أن من صَلَّى ركعة من الصبح أو العصر ، ثم خرج الوقت قبل سلامه ، لا تبطل صلاته ، بل يتمها ، وهي صحيحة ، وهذا مجمع عليه في العصر ، وأما في الصبح ، فقال به مالك والشافعي وأحمد والعلماء كافة إلا أبا حنيفة قال : تبطل صلاة الصبح بطلوع الشمس فيها ، لأنه وقت النهي من الصلاة بخلاف غروب الشمس والحديث حجة عليه .

”یہ حدیث بین دلیل ہے کہ جس نے صبح یا عصر کی نماز کی ایک رکعت پڑھی، پھر سلام پھیرنے سے پہلے اس نماز کا وقت ختم ہو گیا، اس کی نماز باطل نہیں ہوگی، بلکہ وہ اپنی نماز کو پورا کرے گا اور اس کی نماز صحیح ہے۔ عصر کے بارے میں تو اجماع ہے، فجر کے بارے میں امام ابو حنیفہ کے علاوہ باقی سب ائمہ مثلاً امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اسی کے قائل ہیں، مگر امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اگر نماز فجر کے دوران سورج طلوع ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ یہ نماز کا ممنوع وقت ہے، جبکہ غروب آفتاب کا وقت ممنوع

نہیں، یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔“ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۰۲۲۷-۲۲۸)

امام ابن المنذر رنيسابورى رحمہ اللہ (م ۳۱۸ھ) لکھتے ہیں: قد جعل النبى صلی اللہ علیہ وسلم من أدرك من العصر قبل أن تغرب الشمس ، ومن أدرك ركعة من الصبح قبل أن تطلع الشمس مدركا للصلاتين وجمع بينهما ، فلا معنى لتفريق من فرق الشئيين جمعت السنة بينهما ، ولو جاز أن تفسد صلاة من جاء الى وقت لا تحل الصلاة فيه ألزم أن تفسد صلاة من ابتدأها فى وقت لا تجوز الصلاة فيها ، وليس فيما ثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا التسليم له وترك أن يحمل على القياس والنظر ... ”نبى اکرم ﷺ نے اس شخص کو نماز پانے والا

قرار دیا ہے، جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی یا طلوع آفتاب سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالی، نیز آپ ﷺ نے ان دونوں نمازوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے، چنانچہ سنت نے جن چیزوں کو جمع کیا ہے، انہیں الگ کرنا درست نہیں، اگر ایسے شخص کی نماز فاسد ہوگی، جس نے مکروہ وقت میں نماز ادا کی تو لازم تھا کہ اس کی نماز شروع ہی سے باطل ہو جاتی، حالانکہ جو کچھ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، اسے تسلیم کرنا اور قیاس پر محمول نہ کرنا ہی واجب ہے۔“ (الاوسط لابن المنذر: ۳۴۹/۲)

کرمانی حنفی لکھتے ہیں: وفى الحديث أنّ من دخل الصلاة ، فصلّى ركعة وخرج الوقت كان مدركا لجميعها ، وتكون أداء ، وهو الصحيح . ”اس حدیث (ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص نماز میں داخل ہوا، اس نے ایک رکعت پڑھی تو وقت ختم ہو گیا، وہ ساری کی ساری نماز کو پانے والا ہے، یہی صحیح اور درست ہے۔“ (شرح صحیح البخاری: ۲۰۷/۴)

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا أدركت ركعة من صلاة الصبح قبل أن تطلع الشمس ، فصلّ إليها أخرى . ”اگر آپ سورج طلوع ہونے سے پہلے نماز فجر کی ایک رکعت پالیں تو اس کے ساتھ دوسری رکعت بھی پڑھ لیں (نماز مکمل کر لیں)۔“ (مسند الامام احمد: ۲۳۶/۲، ۴۸۹، وسندہ صحیح)

مسند احمد (۴۹۰/۲) میں ہی قتادہ رحمہ اللہ نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔

یہ حدیث مبارکہ نص صریح ہے کہ جس نے سورج طلوع ہونے سے پہلے نماز فجر کی ایک رکعت پالی، وہ دوسری رکعت پڑھ کر نماز مکمل کرے گا۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (۳۶۸-۴۶۳ھ) نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وهذا اجماع من المسلمين ، لا يختلفون في أنّ هذا المصلّي فرض عليه واجب أن يأتي بتمام صلاة الصّبح وتمام صلاة العصر . ”اس پر مسلمانوں کا بلا اختلاف اجماع ہے کہ ایسے

نمازی پر نماز صبح اور نماز عصر مکمل کرنا واجب ہے۔“ (التمہید لابن عبد البر : ۲۷۳/۳)

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من صلّى سجدة واحدة من العصر قبل غروب الشمس ، ثمّ صلّى ما بقى بعد غروب الشمس ، فلم تفته العصر ، وقال : ومن صلّى سجدة واحدة من الصّبح قبل طلوع الشمس ، ثمّ صلّى ما بقى بعد طلوع الشمس ، فلم تفته الصّبح .

”جس شخص نے نماز فجر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پڑھ لی ، باقی ماندہ نماز سورج غروب ہونے کے بعد پڑھ لی ، اس سے عصر کی نماز فوت نہیں ہوئی ، فرمایا ، اور جس نے نماز فجر کی ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لی ، باقی ماندہ نماز سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھی ، اس کی صبح فوت نہیں ہوئی۔“ (مسند السراج : ۹۳۶ ، وسندہ صحیح) دیگر عمومی روایات بھی اس مسئلہ کی مؤید ہیں۔

قال عبد الله : سألت أبي عن رجل صلّى بالغدّة ، فلمّا صلّى ركعة قام في الثانية ، طلعت الشمس ، قال : يتمّ الصّلاة ، هي جائزة . ”عبد اللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے ، جس نے نماز فجر پڑھی ، جب رکعت ادا کر کے دوسری کے لیے کھڑا ہوا تو سورج طلوع ہو گیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا ، وہ اپنی نماز مکمل کرے ، یہ جائز ہے۔“

(مسائل الامام احمد لابنہ عبد اللہ : ۵۴-۵۵)

اب ان صحیح احادیث نبویہ اور اجماع امت کے خلاف فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

سوال : ”اگر صبح کی نماز پڑھتے پڑھتے آفتاب طلوع ہو جائے یا عصر کی نماز پڑھتے پڑھتے

غروب ہو جائے تو کیا فجر و عصر کی نماز ادا ہو جائے گی؟“

الجواب : ”عصر کی نماز ہو جائے گی ، فجر کی نہیں ہوگی۔“

(احسن الفتاویٰ از رشید احمد دیوبندی لدھیانوی کراچی : ۱۳۷/۲)

سوال : ”اگر فجر کی نماز میں آفتاب طلوع کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب : ”عند الحنفیہ نماز اس کی فاسد ہوگی ، بعد طلوع و ارتفاع آفتاب پھر صبح کی نماز اس کو

پڑھنا چاہیے۔“ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند : ۴/۴۷)

بعض الناس کے یہ دونوں فتوے احادیثِ صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہیں، یہ حدیث کے ایک ٹکڑے پر عمل ہے، دوسرے کی مخالفت ہے، قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿اَفْتُونُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ (البقرة : ۸۵)

”کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لے آتے ہو اور بعض سے کفر کرتے ہو؟“ فَاِنَّ اللّٰهَ اَلْبُسْتٰكِي !
جناب محمد تقی عثمانی دیوبندی حیاتی صاحب اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حدیثِ بابِ حنفیہ کے بالکل خلاف ہے، مختلف مشائخ حنفیہ نے اس کا جواب دینے میں بڑا زور لگایا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی شافی جواب نہیں دیا جاسکا، یہی وجہ ہے کہ حنفیہ مسلک پر اس کو مشکلات میں شمار کیا گیا ہے۔“ (درس ترمذی از تقی عثمانی : ۴۳۴/۸)

نیز تقی عثمانی صاحب اس مسئلہ میں اپنے دلائل پر تبصرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”خود صاحبِ معارف السنن (محمد یوسف بنوری دیوبندی) نے حضرت شاہ صاحب (انور شاہ کشمیری دیوبندی) کی اس توجیہ کو بہت مفصل اور موجب کر کے بیان کیا ہے، لیکن آخر میں خود انہوں نے بھی یہ اعتراض کیا ہے شرح صدر اس پر بھی نہیں ہوتا، اس کے علاوہ ان تمام توجیہات پر ایک مشترک اعتراض یہ ہے کہ حدیث کو اپنے ظاہر سے مؤول کرنا کسی نص یا دلیل شرعی کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور اس معاملہ میں تفریق بین الفجر والعصر کے بارے میں حنفیہ کے پاس نص صریح نہیں، صرف قیاس ہے اور وہ بھی مضبوط نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کی طرف سے کوئی ایسی توجیہ اب تک احقر (محمد تقی عثمانی) کی نظر سے نہیں گزری، جو کافی اور شافی ہو، اس لیے حدیث کو توڑ مروڑ کر حنفیہ کے مسلک پر فٹ کرنا کسی طرح مناسب نہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت (رشید احمد) گنگوہی نے فرمایا کہ اس حدیث کے بارے میں حنفیہ کی تمام تاویلات بارہ ہیں اور حدیث (ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ) میں کھینچ تان کرنے کے بجائے کھل کر یہ کہنا چاہیے کہ اس بارے میں حنفیہ کے دلائل ہماری سمجھ میں نہیں آسکے، اور ان اوقات میں نماز پڑھنا ناجائز تو ہے، لیکن اگر کوئی پڑھ لے تو ہو جائے گی۔ حضرت گنگوہی کے علاوہ صاحبِ بحر الرائق (ابن نجم حنفی) اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی دلائل کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام مالک رحمہم اللہ) کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ طلوعِ شمس سے فجر کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔“

(درس ترمذی از تقی عثمانی : ۴۳۹/۸-۴۴۰)

اَللّٰهُمَّ اَرْنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرَزْنَا اَتْبَاعَهُ ۚ وَاَرْنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَاَرَزْنَا اِمْتِنَانَهُ !



سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من أحد يسلم على الآرّة الله على روحى ، حتى أَرَدَ عليه السلام .

”(میرے فوت ہو جانے کے بعد) کوئی بھی مسلمان مجھ پر سلام نہیں کہے گا، مگر اللہ تعالیٰ اتنی دیر میری

روح لوٹا دے گا کہ میں اس پر جواب لوٹا دوں۔“ (سنن أبی داؤد: باب زيارة القبور ۹، ح: ۲۰۴۳) ①

① اس حدیث کی سند کو حافظ نووی (خلاصة الأحكام: ۴۴۷/۱، ح: ۱۴۴۰)، شیخ الاسلام ابن تیمیہ (اقتضاء الصراط المستقیم: ص ۳۲۴)، حافظ ابن قیم رحمہ اللہ (جلاء الأفهام: ۵۳/۱) حافظ ابن الملقن (تحفة المحتاج: ۱۹۰/۲) رحمہم اللہ وغیرہ نے ”صحیح“ اور حافظ عراقی (تخریج احادیث الاحیاء: ح ۱۰۱۳)، حافظ ابن عبد البر (الصارم المنکی: ۱۱۴/۱) رحمہم اللہ نے ”جید“ کہا ہے، نیز حافظ سخاوی (المقاصد الحسنة: ۵۸۷/۱)، حافظ عجلی (كشف الخفاء: ۱۹۴/۲) وغیرہ نے اس حدیث کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

مذکورہ حدیث تو واقعی کم از کم ”حسن“ ہے، لیکن یہ سند ”منقطع“ ہے، کیونکہ یزید بن عبد اللہ بن قسیط راوی جو کہ کثیر الارسال ہیں، انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ڈائریکٹ یہ حدیث نہیں سنی، بلکہ وہ ایک واسطے سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں، جو کہ (المعجم الأوسط للطبرانی: ۳/۲۶۲، ح: ۳۰۹۲) میں موجود ہے اور اس کی سند ”حسن“ ہے۔

اس روایت میں امام طبرانی رحمہ اللہ کے شیخ بکر بن سہل الدمیاطی جمہور محدثین کے نزدیک ”ثقة“ ہیں، کیونکہ امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ (المختارۃ: ۱۵۹) اور امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرک علی الصحیحین: ۴/۱۷۷، ۶۴۳، ۶۴۶) نے ان کی توثیق کی ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

نیز مستخرج ابی نعیم (۵۸۳، ۵۸۶، وغیرہ) اور مستخرج ابی عوانہ (۲۵۲۴، ۲۹۰۳) میں بھی ان کی روایت موجود ہے، جو کہ ان کے ثقہ ہونے پر واضح دلیل ہے۔

علامہ بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ضَعَفَ النَّسَائِيُّ ، وَوَثَّقَهُ غَيْرُهُ .

”امام نسائی رحمہ اللہ نے تو ان کو ضعیف کہا ہے، لیکن دوسروں نے ان کو ثقہ کہا ہے۔“ (مجمع الزوائد: ۱۱۷/۴)

اس حدیث کا تعلق آپ ﷺ کی وفات کے بعد والے زمانہ کے سلام سے ہے، گویا یہ کسی سوال کا

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کو ”متوسط“، یعنی درمیانے درجہ کا راوی کہا ہے۔ (المغنی: ۹۷۸)

نیز فرماتے ہیں: حمل الناس عنه، وهو مقارب الحال، قال النسائي: ضعيف.

”محمد ثین نے ان سے روایات لی ہیں اور وہ حسن الحدیث راوی ہے، امام نسائی نے ان کو ضعیف کہا

ہے۔“ (میزان الاعتدال: ۶۲/۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک سند پر حکم لگاتے ہوئے، جس میں بکر بن سہل بھی موجود ہیں، لکھتے ہیں:

ورجاله موثقون الا سليمان بن أبي كريمة، ففيه مقال.

”اس کے سارے راویوں کو ثقہ کہا گیا ہے، سوائے سلیمان بن ابی کریمہ کے کہ اس میں کچھ جرح موجود

ہے۔“ (الآمالی المطلقة لابن حجر: ۱۳۷۸)

حالانکہ لسان المیزان میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے خود بکر بن سہل الدمیاطی پر امام نسائی کی جرح ذکر کی

ہے۔ (لسان المیزان لابن حجر: ۵۷۲، ت: ۱۹۵)

معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک بھی امام نسائی رحمہ اللہ کی بکر بن سہل الدمیاطی پر

جرح مقبول نہیں، بلکہ جمہور کی توثیق کی وجہ سے وہ ”ثقہ“ ہی ہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ محدث البانی رحمہ اللہ کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ:

ضعفه النسائي، ولم يوثقه أحد.

”اس (بکر بن سہل الدمیاطی) کو امام نسائی نے

ضعیف کہا ہے، ثقہ کسی نے نہیں کہا۔“ (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة: ۵۶۲/۴)

رہا مسئلہ یہ کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان میں بکر بن سہل الدمیاطی پر جو امام نسائی رحمہ اللہ اور مسلمہ بن

قاسم کی جرح نقل کی ہے، اس کا کیا معنی تو عرض ہے کہ:

امام نسائی رحمہ اللہ راویوں کے بارے میں بسا اوقات زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے، اس بارے میں

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: فكم من رجل أخرج له أبو داود والترمذي وتجنب

النسائي حديثه، بل تجنب إخراج حديث جماعة من رجال الصحيحين، وقال سعد بن علي

الزنجاني: إن لأبي عبد الرحمن شرطاً في الرجال أشد من شرط البخاري ومسلم.

”کتنے ہی راوی ہیں، جن کی روایات امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے بیان کی ہیں، لیکن امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کی

حدیث بیان کرنے سے اجتناب کیا ہے، بلکہ انہوں نے تو (مزید احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے) صحیح بخاری و مسلم

جواب ہے، جسے راوی نے حدیث بیان کرتے ہوئے بیان نہیں کیا، یعنی کسی صحابی نے آپ ﷺ سے سوال کیا

ہے کہ بہت سے راویوں کی حدیث بیان کرنے سے بھی اجتناب کیا ہے، سعد بن علی زنجانی کا کہنا ہے کہ امام ابو عبد الرحمن (نسائی) کی راویوں کے بارے میں شرط امام بخاری و مسلم سے بھی کڑی ہے۔“ (النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۷۶۸)

دوسری بات یہ ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ سے یہ جرح ثابت بھی نہیں، جیسا کہ فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے مجھے توجہ دلائی کہ امام موصوف سے اس بات کو بیان کرنے والے ان کے بیٹے عبدالمکریم کے حالات ہمیں نہیں مل سکے۔ واللہ اعلم!

باقی رہا مسلمہ بن قاسم کا بکر بن سہل الدمیاطی پر یہ جرح کرنا کہ:

تکلم الناس فیہ . ”لوگوں نے اس پر جرح کی ہے۔“ (لسان المیزان: ۵۷/۲)

تو یہ کئی وجوہ سے مردود و باطل ہے:

- ① مسلمہ بن قاسم خود ناقابل اعتبار شخص تھا، لہذا اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔
- ② امام نسائی رحمہ اللہ کے سوا کسی محدث کا ان پر جرح کرنا ثابت نہیں، مسلمہ بن قاسم کے ذکر کردہ لوگ ”مجهول“ ہونے کی بنا پر لائق اعتناء نہیں۔

③ مسلمہ بن قاسم ان راویوں کے بارے میں بھی یہ الفاظ ذکر کر دیتا ہے، جو خود اس کے نزدیک بھی ”حسن الحدیث“ ہوتے ہیں، لسان المیزان ہی میں موجود ہے کہ:

وقال مسلمة بن قاسم : ليس به بأس ، تكلم الناس فيه .

”مسلمہ بن قاسم نے کہا ہے کہ اس (یحییٰ بن ابی طالب) میں کوئی حرج نہیں (وہ حسن الحدیث راوی ہے)، لوگوں نے اس پر جرح کی ہے۔“ (لسان المیزان: ۲۶۲/۶)

معلوم ہوا کہ بکر بن سہل الدمیاطی پر تمام جروح مردود ہیں۔

تنبیہ: طبرانی اوسط کی مذکورہ سند میں حیوۃ بن شریح کے شاگرد عبد اللہ بن یزید ”الاسکندرانی“ ذکر کیے گئے ہیں، جن کا کتب تاریخ و رجال میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا، جبکہ باقی کتب حدیث میں یہ راوی عبد اللہ بن یزید ”المقری“ ہیں، جو کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے معروف راوی ہیں۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ طبرانی میں مذکور عبد اللہ بن یزید ”الاسکندرانی“ دراصل ”المقری“ ہی ہیں، کیونکہ حیوۃ بن شریح کے شاگردوں میں کسی اور عبد اللہ بن یزید کا پتا نہیں چل سکا۔ پھر طبرانی اوسط میں ہی امام طبرانی نے اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ذکر کی ہے، جس میں اگرچہ یزید بن عبد اللہ بن قسیط اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ابوصالح کا ہے

تھا کہ اب تو ہم آپ ﷺ کو سلام کہتے ہیں اور آپ جواب دیتے ہیں، آپ کی وفات کے بعد ہمارا سلام کس طرح اور آپ کا جواب کس طرح ہوگا؟ اس پر آپ ﷺ کی طرف سے یہ فرمان جاری ہوا۔

ۛ واسطہ موجود نہیں، لیکن امام صاحب کے استاذ کے شیخ عبداللہ بن یزید کے نام کے ساتھ ”المقری“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، جیسا کہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں ہے۔

ان کو ”الاسکندرانی“ کہے جانے کی وجہ شاید یہ ہے کہ ”معجم البلدان“ میں اسکندریہ نامی تیرہ شہر ذکر کیے گئے ہیں، جو کہ اب کس اور نام سے معروف ہیں، عین ممکن ہے کہ ان کے علاقے کو بھی ”اسکندریہ“ کہا جاتا ہو اور شاید اسی وجہ سے ہی محدث البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قلت: هو المقرئ، ثقة، من رجال الشیخین ...

”میں کہتا ہوں کہ یہ (عبداللہ بن یزید الاسکندرانی) المقرئ ہی ہیں، جو کہ ثقہ ہیں، صحیح بخاری صحیح مسلم کے ایک راوی ہیں۔“ (السلسلة الصحيحة: ۳۳۸/۵، ح: ۲۲۶۶)

لیکن اگر اس عبداللہ بن یزید الاسکندرانی کو ”مجهول“ قرار دیا جائے تو لا محالہ طور پر سنن ابی داؤد والی سند ”حسن“ ہو جائے گی، کیونکہ اس کے ضعف پر سوائے اس روایت کے اور کوئی دلیل نہیں کہ طبرانی اوسط میں یزید بن عبداللہ بن قسیط اور سیدنا ابو ہریرہ رحمہ اللہ کے درمیان ابوصالح کا واسطہ موجود ہے، جبکہ سنن ابی داؤد میں موجود نہیں، اگر طبرانی اوسط والی یہ سند ”ضعیف“ قرار پاتی ہے تو سنن ابی داؤد کی سند میں موجود ”انقطاع“ کی یہ دلیل ختم ہو جائے گی اور پھر اسے ”منقطع“ قرار دینا بلا دلیل ہوگا۔

اگرچہ یزید بن عبداللہ بن قسیط ”کثیرالارسال“ ہیں، لیکن صرف یہ شبہ اس سند کے ضعف کی دلیل نہیں ہوگا کہ شاید یہاں بھی انہوں نے ”ارسال“ کر کے کوئی واسطہ گرا کر ڈائریکٹ سیدنا ابو ہریرہ رحمہ اللہ سے بیان کر دیا ہو۔ یزید بن عبداللہ بن قسیط کا سیدنا ابو ہریرہ رحمہ اللہ سے سماع و لقاء ثابت ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۲۲/۸، ح: ۵۹۸، وسندہ جید)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس اصول پر محدثین کا اجماع نقل کیا ہے کہ غیر مدلس راوی اگر بصیغہ ”عن“ روایت کرے اور اپنے شیخ سے اس کا سماع و لقاء کسی دلیل سے ثابت نہ ہو، بلکہ اس کا امکان ہو تو بھی روایت ”اتصال“ پر محمول ہوگی، چہ جائیکہ کسی جگہ اس کے سماع کی صراحت بھی مل جائے!

لہذا اگر طبرانی اوسط والی سند کو ”الاسکندرانی“ کی وجہ سے ”ضعیف“ خیال کیا جائے تو بھی اس اجماع کے خلاف صرف ”شبہ انقطاع“ کو معتبر نہیں سمجھا جائے گا۔ انہ الطن لا یغنی عن الحق شیئا --- پھر ہمارے علم کے مطابق ”کثیرالارسال“ راوی کی ”عن“ والی روایت کو متقدمین میں سے

امام ابن سعد (الطبقات: ۶۹۳/۶) کے علاوہ کسی نے بھی ”شبہ انقطاع“ کی وجہ سے ”ضعیف“ قرار نہیں دیا، ۛ

مسئلہ حیات النبی ﷺ

بعض لوگ اس حدیث سے مسئلہ حیات النبی ﷺ کشید کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ یوں کہ کوئی بھی اگر رسول کریم ﷺ پر سلام کہتا ہے تو آپ ﷺ کی روح لوٹائی جاتی ہے اور آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں، اس سے آپ ﷺ کی مستقل زندگی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اس سلام میں انقطاع نہیں ہوتا، ہر وقت کسی نہ کسی جگہ پر آپ ﷺ پر سلام بھیجا جا رہا ہوتا ہے اور آپ ﷺ اس کا جواب دے رہے ہوتے ہیں۔ کوئی وقت بھی اس عمل سے خالی نہیں رہتا، ثابت ہوا کہ آپ ﷺ بھی مسلسل زندہ ہیں۔

لیکن جس بنیاد پر یہ استدلال کیا گیا ہے، وہ بہت ہی بودی اور کمزور ہے اور اس پر تعمیر کی جانے والی عمارت تھوڑا سا غور کرنے پر فوراً منہدم ہو جاتی ہے، کیونکہ اس استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نہ آپ ﷺ پر سلام کبھی منقطع ہوتا ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کی طرف سے اس کے جواب میں انقطاع ہوتا ہے، جبکہ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ:

① اس حدیث سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ ہر سلام کہنے والے کا جواب لوٹاتے ہیں، خواہ وہ قریب سے سلام کہے یا دور سے، بلکہ یہ حدیث تو صرف قریب سے سلام کہنے والے کے بارے میں ہے، کیونکہ دور سے سلام کہنے والے کے بارے میں آپ ﷺ نے خود صراحتاً یہ بات فرمادی ہے کہ اس کا سلام آپ ﷺ تک فرشتے پہنچاتے ہیں اور اس کا جواب بھی آپ ﷺ سے خود دینا ثابت نہیں، چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، جو کہ سابقہ حدیث کے راوی ہیں، جس سے حیات النبی ﷺ پر دلیل لی جاتی ہے، وہی

لیکن اس کو بھی اس پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ ”کثیرالارسال“ راوی کسی ایسے صحابی سے ”عن“ کے ساتھ روایت کر رہا ہو، جس سے اس کا سامع کہیں بھی ثابت نہ ہو۔

ورنہ پھر امام عطاء بن ابی رباح، امام مکحول شامی (خصوصاً حدیثہ فی القراءۃ خلف الامام، عنعن فیہ)، امام ضحاک بن مزاحم، امام عبداللہ بن زید ابو قلابہ جرمی، امام ابوالعالیہ رفیع بن مہران وغیرہم رحمہم اللہ کی ”عن“ والی ساری روایات اس ”شبہ انقطاع“ کی نظر ہو کر ”ضعیف“ قرار پائیں گی، کیونکہ یزید بن عبداللہ بن قسیط کی طرح یہ مذکورہ ائمہ بھی ”کثیرالارسال“ ہیں، حالانکہ ان کی ایسی روایات سب کے ہاں معتبر ہوتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیث بہر حال ”حسن“ درجہ کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ ابرم وأہکم!

آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل فرماتے ہیں کہ: ((لَا تَتَّخِذُوا بَيُوتَكُمْ قُبُورًا ، وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا ، وَصَلُّوا عَلَيَّ ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ)) ”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ، نہ ہی میری قبر کو میلہ گاہ بنانا، (بلکہ جہاں بھی ہو) مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ تم جہاں بھی ہو گے، تمہارا درود مجھ تک پہنچے گا۔“ (مسند الامام احمد: ۳۶۷/۲، ح: ۸۷۹۰، سنن ابی داؤد: ۲۰۴۱، واللفظ لہ ۰ وسندہ حسن)

نیز سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْاَرْضِ ، يَبْلُغُوْنِي مِنْ اُمَّتِي السَّلَامِ))

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے موجود ہیں، جو زمین میں گشت کرتے رہتے ہیں، وہ میری امت کی طرف سے سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔“ (مسند الامام احمد: ۳۸۷/۱، سنن النسائی الصغریٰ: ۴۴/۳، ح: ۱۲۸۲، الکبریٰ لہ: ۲۲/۶، وسندہ حسن) ①

ان احادیث سے صریح طور پر یہ معلوم ہو گیا ہے کہ دور سے درود و سلام کہنے والے کا وہ حکم نہیں، جو قریب سے سلام کہنے والے کا ہے، کیونکہ دور سے سلام کہنے والے کو آپ ﷺ کے جواب لوٹانے کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے، جبکہ قریب سے سلام کہنے والے کو جواب لوٹانے پر نص موجود ہے۔

محدثین و ائمہ دین کی تصریحات بھی اس پر شاہد ہیں۔

① اس حدیث کی بہت سے ائمہ نے ”صحیح“ کی ہے، مثلاً امام ابن حبان رحمہ اللہ (۹۴) نے ”صحیح“ اور امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرک علی الصحیحین: ۵۶/۲) نے ”صحیح الاسناد“ قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

یاد رہے کہ اس حدیث میں سفیان ثوری رحمہ اللہ تدلیس نہیں کر رہے، کیونکہ سماع کی صراحت موجود ہے (فضل الصلاة علی النبی للفاضل اسماعیل، بحوالہ الصارم المنکی: ۲۰۲/۱)، نیز مسند البزار (۹۲۴) میں اس حدیث کو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ بیان کر رہے ہیں اور وہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے صرف وہی احادیث بیان کرتے ہیں، جن میں سماع کی صراحت ہوتی ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے فرمایا:

ما کتبت عن سفیان شیئا الا ما قال فيه : حدثنی او حدثننا

”میں نے سفیان (ثوری رحمہ اللہ) سے صرف وہ احادیث لکھی ہیں، جن میں انہوں نے حدثننا یا حدثنی کے الفاظ کہے ہیں۔“ (العلل ومعرفۃ الرجال لاحمد بن حنبل: ۵۱۷/۱)

پھر سیدنا ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث، جس کو ہم آئندہ بیان کریں گے، اسے بھی پڑھ لیں تو بالکل وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس سلام کا جواب اللہ تعالیٰ دس رحمتوں کے نزول کی صورت میں دیتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: **فہم العلماء منہ السّلام عند قبرہ خاصۃ ، فلا یدلّ علی البعید .** ”اس حدیث سے علمائے کرام نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس سلام (کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا لوٹایا جانا) سمجھا ہے، یہ حدیث دور (سے سلام کہنے پر روح کے لوٹائے جانے) پر دلالت نہیں کرتی۔“ (الرد علی البکری : ۱۰۷/۸)

نیز فرماتے ہیں: **وهذا الحديث هو الذى اعتمد عليه العلماء ، كأحمد وأبى داود وغيرهما فى السّلام عليه عند قبرہ** ”یہی وہ حدیث ہے، جس پر امام احمد بن حنبل اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہما وغیرہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہنے کے سلسلہ میں اعتماد کیا ہے۔“ (الرد علی البکری : ۱۰۶/۸)

علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے اکثر علمائے کرام کے نزدیک قبر کے پاس پر محمول کرتے ہیں۔

(الصارم المنکی لابن عبد الہادی : ۱۱۵/۸)

قریب سے مراد صرف حجرہ عائشہ ہے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں، یہی وجہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی سفر سے واپس آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس جا کر یہ الفاظ کہتے:

السّلام علیک یا رسول اللہ ، السّلام علیک یا أبا بکر ، السّلام علیک یا أبتاہ .

”اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو، اے ابوبکر! آپ پر سلامتی ہو، اے میرے ابا جان! آپ پر

سلامتی ہو۔“ (فضل الصلاۃ علی النبی للقاضی اسماعیل بن اسحاق : ص ۸۱-۸۲، ح : ۹۹، السنن الکبریٰ للبیہقی : ۲۴۵/۵، وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح لوٹائے جانے کا تعلق صرف اس شخص سے ہے، جو قبر مبارک کے عین قریب جا کر سلام کہے، جیسا کہ علامہ شمتیطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ومجمعون أنّ ذلك يحصل لمن سلّم عليه صلّى الله عليه وسلّم من قريب ...

”اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب لوٹانا) اس شخص کو حاصل ہوتا ہے، جو کہ قریب

سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہتا ہے۔۔۔“ (اضواء البیان للشنقیطی : ۸۳۸/۸)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (تفسیر ابن کثیر : ۶۲۷/۳) وغیرہ نے بھی اس حدیث کا تعلق اسی شخص سے قائم کیا ہے، جو

قریب سے آپ ﷺ کو سلام کہتا ہے، دور سے سلام کہنے والوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اس کا جواب تو اللہ تعالیٰ رحمت کی صورت میں لوٹا تا ہے۔

ابوطیب شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَالْقَوْلُ الصَّحِيحُ أَنَّ هَذَا لِمَنْ زَارَهُ، وَمَنْ بَعْدَ عَنْهُ تَبْلُغُهُ الْمَلَائِكَةُ سَلَامَهُ . ”صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے،

جو آپ ﷺ (کی قبر مبارک) کی زیارت کرے اور جو دور ہو، فرشتے اس کا سلام آپ ﷺ تک پہنچاتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ رحمت کر کے اس کا جواب دیتا ہے)۔“ (عون المعبود فی شرح سنن ابی داؤد: ۲۲/۶)

ابوالحسن عبید اللہ بن محمد رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: فَإِنَّ الصَّحِيحَ أَنَّ الْمُرَادَ فِي الْحَدِيثِ السَّلَامُ عَلَيْهِ عِنْدَ قَبْرِهِ، كَمَا فَهَمَهُ كَثِيرٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ

”صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد آپ ﷺ کی قبر مبارک کے قریب کہا جانے والا سلام ہے، جیسا کہ بہت سے علمائے کرام نے سمجھا ہے۔“ (مرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۲۶۳/۳)

سب سے واضح بات تو یہ ہے خود امام ابوداؤد رحمہ اللہ اسے قبروں کی زیارت کے باب میں بیان کر رہے ہیں۔ جب احادیث اور محدثین کی صراحت سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس حدیث میں جو روح لوٹائے جانے اور جواب لوٹانے کا بیان ہے، اس کا تعلق صرف حجرہ عائشہ میں کھڑے ہو کر سلام کہنے والے سے ہے، دنیا کے ہر درود و سلام پڑھنے والے سے نہیں تو اب یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر آج تک کوئی دور ایسا نہیں آیا کہ حجرہ عائشہ میں ہر وقت رسول اللہ ﷺ پر سلام کہا جا رہا ہو، لہذا اس حدیث سے یہ اخذ کرنا صحیح نہیں کہ چونکہ آپ ﷺ پر ہر وقت کہیں نہ کہیں سلام کہا جا رہا ہوتا ہے اور روح لوٹی ہی رہتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ مستقل زندہ ہیں! یوں اس حدیث سے ”حیات النبی ﷺ“ کا اثبات واضح طور پر باطل ہے۔

② اس حدیث کے الفاظ بھی مسئلہ حیات کے منافی ہیں، جیسا کہ علامہ عبد الہادی رحمہ اللہ اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَلَيْسَ هَذَا الْمَعْنَى الْمَذْكُورَ فِي الْحَدِيثِ، وَلَا هُوَ ظَاهِرُهُ، بَلْ هُوَ مُخَالِفٌ لظَاهِرِهِ، فَإِنَّ قَوْلَهُ: ((أَلَا رَدَّ اللَّهُ عَلَى رُوحِي)) بَعْدَ قَوْلِهِ: ((مَا مِنْ أَحَدٍ يَسْلَمُ عَلَيَّ ...)) يَقْتَضِي رَدَّ الرُّوحِ بَعْدَ السَّلَامِ، وَلَا يَقْتَضِي اسْتِمْرَارَهَا فِي الْجَسَدِ، وَلَيَعْلَمُ أَنَّ رَدَّ الرُّوحِ إِلَى الْبَدَنِ وَعَوْدُهَا إِلَى الْجَسَدِ بَعْدَ الْمَوْتِ لَا يَقْتَضِي اسْتِمْرَارَهَا فِيهِ، وَلَا يَسْتَلْزِمُ حَيَاةَ أُخْرَى قَبْلَ يَوْمِ الشُّعُورِ نَظِيرَ الْحَيَاةِ الْمَعْهُودَةِ، بَلْ إِعَادَةُ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ فِي الْبَرْزَخِ إِعَادَةُ بَرْزَخِيَّةٍ، لَا تَزِيلُ عَنْ

المیت اسم الموت ، وقد ثبت فی حدیث البراء بن عازب الطویل المشہور فی عذاب القبر ونعیمہ فی شأن المیت وحالہ أنّ روحہ تعاد الی جسدہ ، مع العلم بأنّہا غیر مستمرّة فیہ ، وأنّ هذه الاعادة لیس مستلزمة لاثبات حیاة مزيلة لاسم الموت ، بل هی أنواع حیاة برزخیّة ...

”یہ مذکورہ معنی (حیات النبی ﷺ کا مسئلہ) حدیث میں موجود نہیں، نہ ہی یہ حدیث کا ظاہری معنی ہے، بلکہ یہ تو اس کے ظاہری معنی کے خلاف ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا کسی کے سلام کہنے کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ میری روح لوٹا دیتا ہے، اس بات کا مقتضی ہے کہ روح سلام کہنے کے بعد لوٹائی جاتی ہے، یہ الفاظ روح کے جسم میں ہمیشہ رہنے کا تقاضا نہیں کرتے۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بدن کی طرف روح کا لوٹایا جانا اور موت کے بعد جسم کی طرف اس کا واپس آنا اس کے ہمیشہ وہیں رہنے پر دلالت نہیں کرتا، نہ ہی وہ قیامت سے پہلے کسی دوسری زندگی کو مستلزم ہے، جو دنیوی زندگی کی طرح ہو، بلکہ برزخ میں روح کا جسم کی طرف لوٹایا جانا ایک برزخی اعادہ ہے، جو میت سے موت کا نام ختم نہیں کرتا۔

قبر کے عذاب اور اس کی نعمتوں کے بارے میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مشہور طویل حدیث (سنن ابی داؤد: ۴۷۵۳، السمندرک للحاکم: ۹۵/۱، وسندہ حسن) میں ہے کہ (قبر میں سوال و جواب کے وقت ہر) مردے کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جائے گی، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ وہ روح اس جسم میں ہمیشہ نہیں رہتی، نہ ہی وہ ایسی زندگی کو مستلزم ہے، جو میت سے موت کا نام ہی ختم کر دے، بلکہ وہ تو برزخی زندگی کی ایک قسم ہے۔۔۔“ (الصارم المنکی: ۲۲۲/۱-۲۲۳)

یعنی اگر روح کے لوٹائے جانے کو حیات دنیوی شمار کیا جائے تو پھر مذکورہ حدیث کے مطابق ہر مسلم و کافر مردے کی روح لوٹائی جاتی ہے، کیا وہ بھی سب دنیوی زندگی زندہ ہوں گے؟ اگر یہاں روح لوٹانے سے مراد حیات دنیوی نہیں تو وہاں کیوں ہے؟

بلکہ اس استدلال کے برعکس یہ حدیث تو ان لوگوں کے لیے سخت اشکال کا سبب ہے، جو لوگ حیات انبیاء کا اثبات کرتے ہیں، جیسا کہ علامہ عبید الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذا مشکل علی من ذهب الی أنّ الأنبياء بعد ما قبضوا ردت الیہم أرواحہم ، فہم أحياء عند ربہم كالشہداء ، ووجه الاشکال فیہ أنّ عود الرّوح الی الجسد یقتضی انفصالہا عنہ ، وهو الموت ، وهو لا یلتئم مع کونه حیّا دائما ...

”یہ حدیث ان لوگوں کے لیے اشکال ہے، جو یہ مذہب رکھتے ہیں کہ انبیائے کرام کی ارواح قبض ہونے کے بعد دوبارہ ان کی طرف لوٹا دی گئیں ہیں، اب وہ شہداء کی طرح زندہ ہیں، اشکال کی وجہ یہ ہے کہ روح کا جسم کی طرف لوٹنا یا جاننا یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس سے جدا ہو، اسی کا نام موت ہے، یہ صورت حال آپ ﷺ کے ہمیشہ زندہ ہونے کے (دعویٰ کے) ساتھ فٹ نہیں آتی۔۔۔“ (مرعاۃ المفاتیح: ۲۶۹/۳)

③ اگر کوئی شخص اس حدیث سے قریب کا سلام نبی کریم ﷺ کا خود سننا ثابت کرے اور پھر اس سے مسئلہ حیات النبی ﷺ کشید کرے تو اولاً اس کی صراحت کسی صحیح حدیث میں نہیں۔
ثانیاً اس فرمان باری تعالیٰ سے اصل بات معلوم ہو سکتی ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ﴾ (فاطر: ۲۲)

”آپ مردوں کو (کوئی بات) نہیں سنا سکتے، مگر اللہ جسے چاہے سنا دیتا ہے۔“

اگر قبر کے قریب سے سننا ہی عقیدہ حیات النبی ﷺ کی دلیل ہے تو جب اللہ چاہے تمام مسلمانوں، بلکہ غیر مسلموں کو بھی قبر کے قریب کی کوئی آواز سنا دیتا ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((العبد اذا وضع فى قبره ، وتولى وذهب أصحابه حتى انه ليسمع قرع نعالهم ...)) ”جب انسان کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس چلے جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کے آوازیں سن رہا ہوتا ہے۔۔۔“ (صحیح بخاری: ۱۳۳۸، صحیح مسلم: ۲۸۷۰)

تو کیا بزعم خود نبی کریم ﷺ کے قبر مبارک کے قریب کہے جانے والے سلام کو سن لینے کی وجہ سے حیات النبی ﷺ کی دلیل بنانے والے اس حدیث کو حیات المسلمین، بلکہ حیات بنی آدم کی دلیل بنائیں گے؟ اسی طرح غزوہ بدر میں کفار مکہ کے جو لوگ قتل ہو گئے تھے، ان کو نبی کریم ﷺ نے خطاب کیا اور فرمایا تھا: ((انھم الآن يسمعون ما أقول))

”یقیناً وہ اب میری باتیں سن رہے ہیں۔“ (صحیح بخاری: ۳۹۸۰، صحیح مسلم: ۲۸۷۴)

کیا بزعم خود قبر کے پاس سے سلام سننے کی وجہ سے حیات النبی ﷺ کا عقیدہ رکھنے والے، کافروں کے نبی ﷺ کا خطاب سننے کی وجہ سے ”حیات الکافرین“ کا عقیدہ بھی رکھیں گے؟

بات صرف اتنی ہے کہ اللہ جب چاہے مردوں کو کوئی بات سنا دیتا ہے، چاہے وہ کافر ہی ہوں، چنانچہ اگر بالفرض قبر کے پاس کے سلام کے بارے میں یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نبی اکرم ﷺ اسے خود سنتے ہیں، تو پھر

پھر بھی یہ حیات النبی ﷺ کی دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ عام مردوں بھی کبھی سنا دیتا ہے۔ کیا عام مردوں کے لیے بھی حیات ثابت ہو جائے گی۔

پھر آپ ﷺ اس کا جو جواب دیتے ہیں، اس جواب کا تعلق بھی عالم برزخ کے ساتھ ہے، دنیاوی کانوں سے اسی لیے وہ سنا نہیں جاسکتا، لہذا اس سے حیات النبی ﷺ کا عقیدہ ثابت کرنا صحیح نہیں!!!

نیز یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ سلام دو طرح کا ہے، ایک سلام مامور ہے، یعنی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۶/۳۳)

”اے ایمان والو! تم ان (نبی اکرم ﷺ) پر درود اور بہت زیادہ سلام بھیجو۔“

اور دوسرا سلام تحیہ ہے، یعنی وہ سلام جو کسی سے ملنے پر تحفہً کہا جاتا ہے۔

جب اتنی بات سمجھ میں آگئی ہے تو پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ سلام تحیہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کو کہا جاتا تھا تو اس کا جواب آپ ﷺ دیتے تھے اور اب بھی کہا جاتا ہے تو اس کا جواب آپ ﷺ خود ہی دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں بیان ہو گیا ہے۔

یہ بات بھی بخوبی واضح کی جا چکی ہے کہ سلام تحیہ جیسے آپ ﷺ کی زندگی میں قریب سے کہا جاتا تھا، اسی طرح اب بھی قریب سے ہی کہا جائے گا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ سفر سے واپسی پر حجرہ عائشہ میں قبر مبارک کے پاس جا کر یہ سلام تحیہ کہتے تھے، اس کے برعکس سلام مامور تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نمازوں میں ہر جگہ ہی پڑھتے تھے، اس کے لیے بھلا قبر مبارک کے پاس آنے اور سفر سے واپسی پر حاضری دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر اس سلام کا آپ ﷺ دُور سے بھی جواب دیتے تھے تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر مبارک کے پاس کیوں جاتے تھے؟

سلام تحیہ آپ ﷺ کو غیر مسلم بھی کہتے تھے، جبکہ سلام مامور مومنوں کے ساتھ خاص ہے، اس کا جواب بھی آپ ﷺ خود نہیں دیتے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں اس شخص پر رحمتیں نازل فرماتے ہیں، جیسا کہ حدیث نبوی ہے، سیدنا ابوطحہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ، وَالبشر يَري في وجهه، فَقُلْنَا: انا لنرى البشر في وجهك، فقال: اِنَّهٗ اَتَانِي مَلَكٌ، فقال: يا مُحَمَّدُ! اِنَّ رَبَّكَ يَقُولُ: اَمَّا يَرَضِيكَ اَنْ لَا

يُصَلِّي عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتَ عَلَيْهِ عَشْرًا ، وَلَا يَسَلِّمْ عَلَيْكَ إِلَّا سَلَّمَتْ عَلَيْهِ عَشْرًا .

”ایک دن اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار تھے، ہم نے عرض کی، ہم آپ کے چہرہ مبارک میں خوشی کے آثار دیکھتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا، میرے پاس ایک فرشتہ آیا ہے اور اس نے کہا ہے، اے محمد! آپ کا رب فرماتا ہے، کیا آپ اس بات پر خوش نہیں ہیں کہ کوئی بھی آپ پر درود پڑھے گا تو میں اس پر دس رحمتیں نازل فرماؤں اور کوئی بھی آپ پر سلام کہے گا تو میں اس پر دس

سلامتیاں نازل فرماؤں گا۔“ (مسند الامام احمد : ۳۰، ۲۹/۴، سنن النسائي : ۱۲۸۳، ۱۲۹۵، وسندہ صحیح) ①

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ سلام کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ سلام جو قریب سے کہا جاتا ہے، یعنی سلام تحیہ اس کا جواب آپ ﷺ خود لوٹاتے ہیں، جبکہ دوسرا سلام جو دور سے کہا جاتا ہے، اس کا جواب آپ ﷺ خود نہیں لوٹاتے، بلکہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس شخص پر سلامتی نازل کرتا ہے، چنانچہ جب ہر سلام کے جواب کے لیے آپ ﷺ پر روح نہیں لوٹائی جاتی، تو اس حدیث سے مسئلہ حیات النبی ﷺ کا اثبات نہیں ہو سکتا۔

علامہ ابن عبد البری رحمہ اللہ ان دو قسموں کو یوں بیان فرماتے ہیں:

① اس حدیث کو امام ابن حبان (۹۱۵) رحمہ اللہ اور امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ (الفتح الکبیر للسیوطی : ح ۱۴۲) نے ”صحیح“ کہا ہے، جبکہ حافظ عراقی نے اس کی سند کو ”جید“ قرار دیا ہے۔ (تخریج احادیث الاحیاء : ح ۱۰۰۴)

سلیمان مولیٰ حسن بن علی ”ثقتہ“ ہیں، امام ابن حبان، امام حاکم اور امام الضیاء المقدسی وغیرہم رحمہم نے ان کی حدیث کی تصحیح کر کے ان کی توثیق کی ہے۔

سیدنا عبد الرحمن بن عوف رحمہ اللہ سے اس حدیث کا ایک شاہد بھی مروی ہے، اس کی سند بھی ”حسن“ ہے۔

(مسند الامام احمد : ۱۹۷۱)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۸۱۰) نے ”صحیح“ کہا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرک علی الصحیحین : ۳۴۵/۱) نے صحیح بخاری صحیح مسلم کی شرط پر ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس کے راوی ابو الجوزی رحمہ اللہ بن عبد الرحمن بن معاویہ (د ق) جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ نہیں، بلکہ جمہور کے نزدیک ”حسن الحدیث“ ہیں، کیونکہ:

(صیح)، امام نسائی (کتاب الضعفاء والمتروکین : ت : ۳۶۵، الکامل لابن عدی : ۳۰۹/۴) اور امام ابو حاتم

والمقصود هنا أن نعرف ما كان عليه السلف من الفرق بين ما أمر الله به من الصلاة والسلام عليه وبين سلام التحية الموجب للرد الذي يشترك فيه كل مؤمن حي وميت، ويرد فيه على الكافر ”یہاں مقصود یہ ہے کہ ہم سلف صالحین کے مطابق وہ فرق معلوم کریں، جو مامور من اللہ درود و سلام اور اس سلام تحیہ کے درمیان ہے، جس کا جواب لوٹانا واجب ہے اور اس میں تمام زندہ و مردہ مسلمان مشترک ہیں اور جس میں کافر کو بھی جواب لوٹایا جائے گا۔“ (الصارم المنکی: ۱۲۵/۱)

نیز لکھتے ہیں: وهذا السلام لا يقتضى ردًا من المسلم عليه، بل هو بمنزلة دعاء المؤمن للمؤمنين واستغفارهم لهم، فيه الأجر والثواب من الله، ليس على المدعو لهم مثل ذلك الدعاء، بخلاف سلام التحية، فانه مشروع بالنص والاجماع في حق كل مسلم، وعلى المسلم عليه أن يرد السلام، ولو كان المسلم عليه كافرا، فان هذا من العدل الواجب، ولهذا كان النبي صلى الله عليه وسلم يرد على اليهود اذا سلموا بقول: عليكم

”یہ سلام (سلام مامور) سلام کہنے والے پر جواب لوٹانے کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ یہ ایک مؤمن کی دوسرے مؤمنوں کے لیے دعا اور استغفار ہوتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ہوتا ہے، جس کے لیے یہ دعا کی گئی ہو، اس پر دعا کرنے والوں کے لیے اسی طرح کی دعا کرنا ضروری نہیں ہوتا، جبکہ سلام نیز لکھتے ہیں: فالصلاة والسلام عليه صلى الله عليه وسلم في مسجده وسائر المساجد وسائر البقاع مشروع بالكتاب والسنة والاجماع، وأما السلام عليه عند قبره من داخل

﴿الجرح والتعديل: ۲۸۴/۵﴾ کی ”تضعیف“ کے مقابلے میں امام ابن خزيمة (صحيح ابن خزيمة: ۱۴۵۰) امام احمد بن حنبل (الجرح والتعديل: ۲۸۴/۵، وسنده صحيح)، امام ابن حبان (الثقات: ۶۰۶)، امام حاکم (المستدرک علی الصحيحین: ۷۲/۳) اور امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ (الاحادیث المختارة: ۹۳۰) رحمہم اللہ کی توثیق مقدم ہوگی، نیز امام ابن معین کا جمہور کی موافقت والا قول (تاریخ ابن معین بروایة الدارمی: ۶۰۳) (توثیق والا قول) قبول کیا جائے گا۔

تحیہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ وہ قرآن و سنت کی نصوص اور اجماع امت سے ہر مسلمان کے لیے مشروع ہے، پھر جس پر سلام تحیہ کہا گیا ہے، اس پر جواب دینا بھی واجب ہے، اگرچہ وہ (سلام کہنے والا) کافر ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ اس کا ضروری حق ہے، اسی لیے نبی اکرم ﷺ کو جب یہود سلام کہتے تو آپ ﷺ ان کا جواب بھی علیکم کے لفظ سے دیتے تھے۔“ (الصارم المنکی: ۱۱۹-۱۲۸/۱)

الحجۃ فہذا کان مشروعاً لَمَّا کان ممکناً بدخول من یدخل علی عائشۃ ...

”آپ ﷺ پر درود و سلام مسجد نبوی، دوسری تمام مساجد اور دنیا کی تمام جگہوں میں کتاب و سنت اور اجماع کے دلائل کی وجہ سے مشروع ہے، رہا آپ ﷺ کی قبر پر حجرۂ عائشہ میں جا کر سلام کہنا تو یہ کسی شخص کے لیے اس وقت مشروع تھا، جب وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں داخل ہو سکتا تھا۔۔۔“ (الصارم المنکی: ۱۱۹/۸)

اگر سلام کی یہ دو قسمیں تسلیم نہ کی جائیں، بلکہ یہ اصرار کیا جائے کہ ہر سلام کا یہ معاملہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کا جواب خود لوٹاتے ہیں تو اس میں جہاں مذکورہ احادیث، یعنی فرشتوں کا وہ سلام نبی اکرم ﷺ تک پہنچانے اور اللہ تعالیٰ کا جواباً سلام کہنے والے پر رحمت کرنے کی تکذیب لازم آتی ہے، وہاں یہ بات عقلاً بھی محال ہے، پھر کسی حدیث میں اس بات کا اثبات بھی نہیں ہے۔

نیز ان دو قسموں کو نہ ماننے سے یہ بھی اعتراض آتا ہے کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں بعض یہودی اور منافق آپ ﷺ کو سلام کہہ دیتے تھے، کیا ان پر بھی اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتا تھا؟ حالانکہ منافقین اور یہود پر رحمت الہی کا تصور بھی اسلام میں نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے سامنے آکر جو سلام کہا جاتا تھا، یعنی سلام تحیہ، اس کا حکم اور ہے، یہ حدیث تو سلام مامور کے بارے میں ہے، جو مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ اسی لیے اس کا حکم صرف ایمان والوں کو دیا گیا ہے۔

④ اگر آپ ﷺ قبر مبارک میں اسی طرح زندہ ہوتے، جس طرح وفات سے پہلے تھے، یعنی آپ ﷺ کی حیات برزخی نہیں، بلکہ دنیوی ہوتی اور کوئی اپنی بات آپ ﷺ کو سنا سکتا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور اپنی پریشانیاں اور مشکلات آپ ﷺ کو پیش کرتے، کم از کم اس بارے میں آپ ﷺ سے دعا ہی کرواتے، لیکن ایسی کوئی بات کسی صحابی سے ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی سلام کے علاوہ کوئی اور درخواست آپ ﷺ کی قبر مبارک کے قریب یا دور سے کی ہو، اس کے برعکس کئی واقعات ایسے ہیں، جو صریح طور پر اس کی نفی کرتے ہیں، مثلاً سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

اَنَّ عَمْرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا، فَاسْقِنَا، قَالَ: فَيَسْقُونَ. ”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ جب لوگوں پر قحط سالی آتی تو سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارش کی دعا کرتے اور کہتے، اے اللہ! یقیناً ہم تیری طرف تیرے نبی ﷺ

(کی دعا) کا وسیلہ بناتے تھے تو تو ہمیں بارش عطا کرتا تھا اور اب ہم تیری طرف تیرے نبی کے چچا (کی دعا) کا وسیلہ بناتے ہیں، تو ہمیں بارش عطا کر، چنانچہ ان پر بارش نازل کی جاتی تھی۔“ (صحیح بخاری: ۳۷۱۰)

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا واسطہ دیتے تھے، نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کا، ورنہ ذات کا واسطہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعد بھی دیا جاسکتا تھا، اگر اس واسطہ سے مراد ذات کا واسطہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کو چھوڑ کر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کا واسطہ دینا صریح گستاخی ہے، جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صادر ہونا محال ہے، ہاں یہ واسطہ دعا کا تھا، جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں کر دیتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری باتیں نہیں سنتے، چاہے وہ قریب سے ہوں، ورنہ وہ مشکل اوقات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی ہی درخواست کر دیتے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ سنتے، جانتے ہوتے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، جیسے جلیل القدر صحابی رسول کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے دعا نہ کروا تے! اسی طرح پورے ذخیرہ حدیث و تاریخ میں باسند صحیح کسی ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام کے علاوہ کوئی بھی درخواست و دعائی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنا ثابت نہیں۔

⑤ پھر حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل لوگ اس روایت کو بھی پیش کر کے استدلال کرتے ہیں:

((الأنبياء أحياء في قبورهم، يصلون))

”انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔“

(مسند ابی یعلیٰ: ۱۴۷/۶، ح: ۳۴۲۵ اخبار اصفہان للاصبہانی: ۸۳/۲ بحوالہ السلسلة الصحيحة للالبانی: ۱۸۹/۲)

حیات الانبياء للبيقي: (۱)

قطع نظر اس بات سے کہ اس کی استنادی حیثیت کیا ہے؟ ہم ایسے لوگوں سے ایک سوال کرنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ کے موقف کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت سلام کہا جا رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اس کا جواب دے رہے ہیں، لہذا حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہوگئی ہے تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے وقت بھی سلام کا جواب دیتے ہیں، جو کہ احناف کے ہاں ”منوع“ ہے، جیسا کہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب ”ہدایہ“ میں لکھا ہے:

ولا يرّد السلام بلسانه، لأنّه كلام، ولا بيده، لأنّه سلام معنی

”نمازی اپنی زبان سے سلام کا جواب نہیں دے گا، کیونکہ وہ تو کلام ہے اور نہ ہی ہاتھ کے ساتھ (اشارہ

سے جواب دے گا)، کیونکہ یہ معنوی طور پر سلام ہی ہے۔“ (الہدایۃ: ۱۴۲/۸)

ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بات ہے کہ اگر فقہ حنفی برحق ہے تو آپ ﷺ کے ہر وقت اور ہر ایک کے سلام کو سننے اور جواب دینے والا قول مردود ہے اور اگر یہ قول درست ہے تو فقہ حنفی کا جنازہ نکل جاتا ہے!

بعض لوگ اس حدیث سے مسئلہ حیات النبی ﷺ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سیدنا عیسیٰ کے آسمان سے نزول کے بارے میں فرمایا:

لئن قام علی قبری، فقال: یا محمد! لأجیننہ. ”اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہوں اور اے

محمد (ﷺ)! تو میں ضرور ان کا جواب دوں گا۔“ (مسند ابی یعلیٰ: ۶۵۸۴)

لیکن اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ عبداللہ بن وہب المصری راوی ”مدلس“ ہیں اور ”عن“ سے حدیث بیان کر رہے ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں قبر مبارک پر کھڑے ہونے سے مراد سلام کہنا اور جواب سے مراد سلام کا جواب ہے، جیسا کہ اسی حدیث کی دوسری سند میں ہے:

”وہ ضرور میری قبر پر سلام کہنے کے لیے آئیں گے، میں ضرور ان پر جواب لوٹاؤں گا۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۶۵۷/۲، ح: ۴۱۶۲)

یہ سند بھی ”ضعیف“ ہے، اس میں محمد بن اسحاق بن یسار ”مدلس“ ہیں اور ”عن“ سے بیان کر رہے ہیں۔

ایک اور حدیث جو اس ضمن میں پیش کی جاتی ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((فبسی اللہ حی یرزق)) ”اللہ کے نبی زندہ ہیں، وہ رزق دیئے جاتے ہیں۔“

(سنن ابن ماجہ: ۱۶۳۷)

اس کی سند ”منقطع“ ہونے کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے، جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفیہ انقطاع بین عبادۃ بن نسی وأبی الدرداء، فإنه لم یدرکہ .

”اس سند میں عبادہ بن نسی اور سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے، کیونکہ اس (عبادہ) نے ان

(سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ) کا زمانہ نہیں پایا۔“ (تفسیر ابن کثیر: ۶۲۰/۳، تحت سورة الاحزاب: ۵۶/۳۳)

نیز اس میں ایک اور وجہ انقطاع بھی ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عن عبادۃ بن نسی مرسل. ”زید بن ایمن کی عبادہ بن نسی سے روایت مرسل (منقطع) ہوتی ہے۔“

(التاریخ الکبیر للبخاری: ۳۸۷/۳)

غم حسین رضی اللہ عنہ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى !

یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام کی تاریخ آلام و مصائب سے لبریز ہے، مسلمانان امت نبی کریم ﷺ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات حسرت آیات، سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا علی بن ابی طالب کی شہادت اور دیگر اصحاب رسول ﷺ کی شہادتوں اور وفاتوں کا غم ابھی نہ بھولے تھے کہ دس محرم الحرام ۶۱ھ کو نواسہ رسول، گوشہ بتول، نوجوانانِ جنت کے سردار، گلستانِ رسالت کے پھول سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے غم سے دوچار ہونا پڑا۔

مصیبت و پریشانی کے وقت غمناک ہونا اور اشکِ غم بہانا فطری امر ہے۔ بے صبری، جزع فزع، نوحہ وین اور سیدہ کو بی با اتفاق المسلمین حرام اور ممنوع ہے۔ مصائب و آلام پر صبر و استقلال کا مظاہرہ کرنے والوں کی قرآن مقدس یوں مدح سرائی کرتا ہے:

﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ (البقرة: ۱۵۵-۱۵۷)

”(اے نبی!) آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں، وہ لوگ کہ جب ان کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اِنَّا لِلَّهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ (ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) کہتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں، جن پر ان کے رب کی طرف سے مغفرت و رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔“

بے صبری اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے، اس پر وعید شدید بھی وارد ہوئی ہے، جیسا کہ:

نمبر ①: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لیس منا من لطم الخدود و شق الجيوب و دعا بدعوى الجاهلية . ”جس نے رخساروں کو پیٹا، گریبانوں کو پھاڑا اور جاہلیت کی پکار پکاری، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ (صحیح بخاری: ۱۲۹۴، صحیح مسلم: ۱۰۳)

نمبر ②: سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ: أن رسول الله بريء من الصالحة و الحالقة و الشاقة . ”اللہ کے رسول ﷺ مصیبت کے وقت چیخنے چلانے والی، سرمنڈانے والی اور گریبان چاک کرنے والی عورت سے بری ہیں۔“ (صحیح بخاری: ۱۲۹۶، صحیح مسلم: ۱۰۴)

نمبر ③: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں چار کام جاہلیت والے ہوں گے، جن کو (بعض) لوگ نہیں چھوڑیں گے، حسب و نسب میں فخر، نسب میں طعن و عیب، ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا اور نوحہ کرنا، نوحہ کرنے والی عورت جب توبہ نہ کرے (بلکہ اسی حالت میں مر جائے) قیامت کے دن اسے اٹھایا جائے گا تو اس پر گندھک کی قمیص اور خارش کی چادر ہوگی۔“ (صحیح مسلم: ۹۳۴)

جونہی محرم الحرام کا چاند نظر آتا ہے، ایک فرقہ بے شمار بدعات، خرافات، ہفوات، ترہات، بیسیوں محرمات اور منکرات

کا ارتکاب کرتا ہے، جیسا کہ ماتم کرنا، سیدہ کوبی، نوحہ اور بین کرنا، مرثیہ خوانی کے لیے مجالس و محافل کا انعقاد، عزاداری، تعزیہ (قبر حسینؑ کی شبیہ)، تابوت (سیدنا حسینؑ کے جنازے کی شبیہ)، تعزیہ اٹھانا (تعزیہ کو امام باڑہ یا تعزیہ خانہ سے گشت کرانے یا دفن کے لیے لے جانا)، تعزیہ کی زیارت کرنا، طلب حاجات کے لیے اس کے ساتھ عرضیاں باندھنا، جھک کر اسے سلام کرنا، اس کے سامنے رکوع اور سجدہ کرنا، اس کو چومنا چاٹنا، اس پر منت منوتی کے چڑھاوے چڑھانا، بچوں کو اس کے ساتھ بطور قیدی باندھنا، کاغذ کی روٹی کتر کر باندھنا، اس کی تزئین و آرائش کرنا، علم عباس نکالنا، آگ پر ماتم کرنا، زنجیروں، ٹوکوں اور تلواروں سے اپنے آپ کو لہو لہان کرنا، سر پیٹنا، چہرہ پیٹنا، سر پر رکھ ڈالنا، گریبان چاک کرنا، ننگے پاؤں چلنا، پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا، کالا لباس پہننا، سر پر چھلے مارنا، ذوالجناح (سیدنا حسینؑ کے گھوڑے کی شبیہ) نکالنا، اس پر سواری نہ کرنا، بچوں کو اس کے نیچے سے گزارنا، چھ محرم کو علی اصغر کا جھولا نکالنا، سات محرم کو قاسم بن حسن کی مہندی نکالنا، علم عباس، تعزیہ اور ذوالجناح کو سجدہ کرنا، جسے سجدہ تعظیسی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، سیدنا حسینؑ کے نام کی نیاز پیش کرنا، سلسبیل لگانا، جلوس کے ساتھ ڈھول، شرنا اور دیگر آلات لہو و لعب لے جانا (جیسا کہ بعض علاقوں میں ہوتا ہے)، مردوزن کا اختلاط، دسویں محرم کو شام غریباں، جھوٹے قصے کہانیاں، بے سند اور من گھڑت روایات کا بیان، قرآن وحدیث کی مخالفت، اللہ اور اس کے رسولوں کی شان میں تنقیص، اصحاب رسول ﷺ کے خلاف بغض کا اظہار اور ان کے خلاف زبان طعن دراز کرنا، نبی اکرم ﷺ کی بیویوں اور بیٹیوں کا انکار اور ان پر تنقید، بعض اہل بیت کی شان میں غلو اور بعض کی شان میں تقصیر، قرآن وحدیث کی باطل تاویلات، اہل سنت والجماعت کی توہین اور ان پر الزام تراشی، سیدنا علیؑ پر کذب و افتراء وغیرہ۔

یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مصداق ہیں: ﴿اَفَمَنْ زُِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ يَضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ (فاطر: ۸/۳۵)

”کیا جس کے لیے اس کے برے عمل کو خوشنما بنا دیا گیا ہے اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگا ہے، (آپ اسے بچا سکتے ہیں؟)، اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔“

نیز فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا﴾ ☆ الدِّیْنُ صَلَّ سَعِيْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنْهُمْ يَحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿﴾ (الكهف: ۱۰۳/۸-۱۰۴)

”اے نبی! کہہ دیجیے کیا ہم تمہیں اعمال کے اعتبار سے گھانا پانے والوں کی خبر نہ دیں؟ (یہ) وہ لوگ (ہیں) جن کی کوشش و کوش دنیا کی زندگی میں ختم ہوگئی، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وصار الشیطان بسبب قتل الحسین رضی اللہ عنہ یحدث للناس بدعتین، بدعة الحزن والنوح يوم عاشوراء، من اللطم والصراخ والبكاء والعطش وانشاء المراثی، وما یفرض الی ذلك من سب السلف ولعنهم وادخال من لا ذنب له مع ذوی الذنوب حتی یسب السابقون الاولون، وتقرأ اخبار مصرعه التي کثیر فیها کذب، وکان قصد من سن ذلك فتح باب الفتنة والفرقة بین الامة، فان هذا لیس واجبا ولا مستحباً باتفاق المسلمین، بل احداث الجزع

وَالنِّسَاحَةُ لِلْمَصَائِبِ الْقَدِيمَةِ مِنْ أَعْظَمَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ... ”سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ

سے شیطان لوگوں میں دو طرح کی بدعات پیدا کر رہا ہے، ایک دس محرم کے دن غم و نوحہ کی بدعت، یعنی جسم پیٹنا، چیخ و پکار، رونا، پیاسے رہنا، مرثیہ پڑھنا اور وہ کام کرنا جو اس صورت حال تک لے جاتے ہیں، مثلاً سلف صالحین کو گالی گلوچ کرنا اور ان پر لعنت کرنا، ان لوگوں کو مجرموں کے ساتھ اس گناہ میں شریک کرنا، جو بالکل بے گناہ ہیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وہ قصے پڑھے جاتے ہیں، جن میں اکثر جھوٹ ہوتا ہے۔ جس شخص نے یہ کام شروع کیا تھا، اس کا مقصد فتنہ کا دروازہ کھولنا اور امت میں تفرقہ ڈالنا تھا۔ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ کام نہ واجب ہیں اور نہ مستحب، بلکہ پرانے مصائب پر جزع و فزع اور نوحہ کرنا ان چیزوں میں سے ہیں، جو اللہ و رسول کے حرام کردہ کاموں میں سے بہت بڑے ہیں۔“ (منہاج السنۃ لابن تیمیہ: ۳۲۲/۲-۳۲۳)

جس طرح یہودی سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور نصرانی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کے دعویدار ہیں، لیکن ان کی تعلیمات سے مکمل انحراف برتتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہما سے محبت کے دعویدار ہیں، لیکن ان کی تعلیمات اور سیرت و کردار سے منحرف ہیں، ان کی کتابیں ان کے فضائل و مناقب سے خالی ہیں، افسوس تو اس بات پر ہے کہ اہل سنت والجماعت جو اہل بیت سے دلی محبت رکھتے ہیں، اس کا اظہار بھی کرتے ہیں، قرآن و حدیث نے ان کا جو مرتبہ و مقام متعین کیا ہے، اسے بلا غلو و تقصیر قبول کرتے ہیں، ان کی کتابیں اہل بیت کے فضائل و مناقب سے بھری پڑی ہیں، اس کے باوجود بعض لوگ ان اہل سنت سے بغض و عداوت رکھتے ہیں، کیوں؟ اہل سنت جب ان کے ماتم پر رد و انکار کرتے ہیں تو وہ بطور طعن یہ روایت پیش کرتے ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ سَحْرَى وَنَحْرَى وَفِي دَوْلَسَى، لَمْ أَظْلَمَ فِيهِ أَحَدًا، فَمِنْ سَفَهَى وَحِدَاثَةِ سَنَى أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبِضَ، وَهُوَ فِي حَجْرَى، ثُمَّ وَضَعَتْ رَأْسَهُ عَلَى وَسَادَةٍ وَقَمَتِ الْتَدَمُّ مَعَ النِّسَاءِ وَأَضْرَبَ وَجْهِي.

”رسول کریم رضی اللہ عنہ کی وفات میرے سینے پر اور میرے گھر میں ہوئی، میں نے اس میں کسی پر غم نہیں کیا، میری ناسمجھی اور کم عمری کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ جب فوت ہوئے تو آپ میری گود میں تھے، پھر میں نے آپ کا سر مبارک ایک سر ہانے پر رکھا اور عورتوں کے ساتھ سیدہ اور منہ پیٹنے لگی۔“ (مسند احمد: ۶/۲۷۴، وسندہ حسن)

ان عورتوں نے اس نا جائز اور حرام کام کا ارتکاب لاعلمی کی بنا پر کیا تھا، جن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں، اسی لیے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو اپنی ناسمجھی اور کم عمری کا نتیجہ خیال کر رہی ہیں، ویسے بھی صحابہ کرام کا معاملہ دوسروں سے مختلف ہے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (التوبة: ۱۰۹/۹، المجادلة: ۲۲/۵۸، البينة: ۸/۹۸)

”اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْهُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۵۲/۳)

”اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم سے درگزر کیا ہے، اللہ تعالیٰ مومنوں پر فضل والا ہے۔“

نیز ان کا یہ اقدام قرآن و حدیث نہیں ہے۔

اہل سنت کون؟

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

امام ابو الحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (۳۲۴-۲۶۰ھ) اہل حدیث، یعنی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یوں لکھتے ہیں:

”جس مذہب پر اہل حدیث، یعنی اہل سنت قائم ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور جو کچھ اس کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ معتبر راویوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے نقل کیا ہے، سب کا اقرار کرتے ہیں اور اس میں سے کسی چیز کا انکار نہیں کرتے، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی بے نیاز الہ ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اس کی کوئی بیوی ہے نہ اولاد۔ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جنت و جہنم حق ہیں۔ قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں اور قبروں والوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر (مستوی) ہے، جیسا کہ اس نے خود فرما دیا ہے کہ: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: ۵/۲۰) (رحمن عرش پر مستوی ہے)، اس کے دو ہاتھ ہیں (کوئی کیفیت بیان نہیں جائے گی)، جیسے اس نے فرمایا ہے: ﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (ص: ۷۵/۳۸) (جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے) اور جیسا کہ فرمایا: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (المائدہ: ۶۴/۵) (اس کے دونوں ہاتھ فراخ ہیں)، اس کی دواں کھنکھ بھی ہیں (لیکن ان کی کیفیت بیان نہیں کی جائے گی)، جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا﴾ (القمر: ۱۴/۵۴) (وہ کشتی ہمارے آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی)، اس کا چہرہ بھی ہے، جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَيَسْقِي وَجْهَهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (الرحمن: ۲۷/۵۵) (اور آپ کے رب کا چہرہ باقی رہے گا، جو ذوالجلال والا کرام ہے)۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو غیر اللہ نہیں کہا جائے گا، جیسا کہ معتزلہ اور خوارج نے کہا ہے، وہ (اہل حدیث، یعنی اہل سنت) یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ علم کی صفت سے متصف ہے، جیسا کہ اس نے خود فرما دیا ہے: ﴿أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ﴾ (النساء: ۱۶۶/۴) (اس نے کتاب کو اپنے علم کے مطابق نازل کیا ہے)، نیز فرمایا: ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ﴾ (فاطر: ۱۷/۳۵) (اور نہیں حمل اٹھاتی کوئی مؤنث اور نہ اس کو جنتی ہے، مگر اس کے علم کے ساتھ)، اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کے لیے سمع و بصر کی صفات بھی ثابت کی ہیں، اللہ تعالیٰ سے ان صفات کی نفی نہیں کی، جیسا کہ معتزلہ نے ان صفات کی نفی کی ہے، اہل حدیث و سنت نے اللہ تعالیٰ کے لیے قوت کی صفت بھی ثابت کی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ (فصل: ۱۵/۴۱) (کیا انہیں معلوم نہیں کہ جس اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے، وہ قوت میں ان سے سخت ہے)، اہل سنت نے کہا ہے کہ دنیا میں جو بھی خیر یا شر ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے، جیسا کہ اللہ عز و جل نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ (التکویر: ۲۹/۸۱) (تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے) اور جیسا کہ سب مسلمانوں کا کہنا ہے: ما شاء اللہ کان وما لم يشأ لم يكن۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا۔“ (مقالات الاسلامیین لابی الحسن الاشعری: ۲۹۰-۲۹۱)

جاری ہے۔۔۔



www.AhleSunnatPk.com